

188984

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188984

UNIVERSAL
LIBRARY

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ لِحِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيِّنَاتِ لَسُحْرًا

سخنوا ان بلن فکر

۱۳۵۲ھ

مؤلفہ

جناب مولوی محمد منور صاحب بہادر گوہر

(امیر الشعراء نجم الفضلاء)

سابق جو نیر ٹیڈ اور ٹیلر سٹیج اسٹی ٹیوٹ مڈاس یونیورسٹی

MADRAS

PRINTED AT THE G. S. PRESS.

1937

ان من الشعر الحكمة وان من البيان لسحرا

سخنوران بلند

مؤلفہ

جناب مولوي محمد منوّر صاحب بہادر گوہر

سابق جونیئر ریڈر اور اینڈل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ مدراس یونیورسٹی

MADRAS :

PRINTED AT THE DIOCESAN PRESS

1936

فهرست مضامین

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
			دیباجه
۳۸	معز ...	۱	پهل باب
۳۹	والد ...	۱	فصل اول
۴۱	فصل دوم	۱	آذری
۴۱	علی ...	۱۴	خواجه محمود شاوان
۴۴	آزاد ...	۸	یوسف
۴۸	واضع ...	۱۱	ش-همیدی
۵۰	نصرت	۱۲	شاه طاهر الحسینی
۵۱	آصف	۱۴	صفی
۵۵	زکی ...	۱۵	رضائی
۵۶	مختومور	۱۶	فرح
۵۷	حاتم	۱۷	وحشی
۵۸	عاجز	۱۸	ارسلان
۶۱	عاشق	۱۹	فانی
۶۲	ایجاد...	۲۰	حیاتی
۶۳	واقف	۲۱	سنجبر
۶۵	ذکا ...	۲۲	ظهوری
۶۸	فصل سوم	۲۵	ملک قمی
۶۸	سلطان محمود شاه بهمنی	۲۶	کوکبی
۷۰	فیروزی	۲۱	مؤمن
۷۲	وفائی	۲۸	دانش
۷۳	جمشید	۳۰	فطرت
۷۴	مرزا صادق	۳۲	امید
۷۵	فهمی	۳۴	راز ...
۷۶	آفتاب	۳۵	درگاه ...

ب

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
رسا ...	۷۸	مبجرم ...	۱۱۵
جرات ...	۷۹	حسن ...	۱۱۷
مولانا سید قمر الدین ...	۸۱	والا ...	۱۱۹
صارم ...	۸۳	عاشق ...	۱۲۱
شفیق ...	۸۴	خوشنود ...	۱۲۲
رفیع ...	۸۶	شفیع ...	۱۲۴
جذب ...	۸۷	قدرت ...	۱۲۵
فصل چہارم	۸۹	مختار ...	۱۲۷
سخن ...	۸۹	واقف ...	۱۲۸
وفا ...	۹۰	فصل ہفتم	۱۳۰
فصل پنجم	۹۲	ابجدی ...	۱۳۰
قربی ...	۹۲	ذوقی ...	۱۳۱
محفوظ ...	۹۴	آگاہ ...	۱۳۲
تجمل ...	۹۶	معجز ...	۱۳۵
جودت ...	۹۶	پیچند ...	۱۳۶
امین ...	۹۷	برہان ...	۱۳۷
انوار ...	۹۸	رائق ...	۱۳۸
فصل ششم	۹۹	بصارت ...	۱۴۰
حاجی ...	۹۹	افسر ...	۱۴۱
گوہر ...	۹۹	تمنا ...	۱۴۲
مہربان ...	۱۰۰	خالص ...	۱۴۲
یکدل ...	۱۰۲	منور ...	۱۴۴
خلوص ...	۱۰۳	آگاہ (ثانی)	۱۴۴
خرد ...	۱۰۴	جوہر ...	۱۴۵
آشکار ...	۱۰۵	فصل ہشتم	۱۴۷
طالب ...	۱۰۶	افصح ...	۱۴۷
اظہری ...	۱۰۷	افزر ...	۱۴۸
خوشدل ...	۱۱۰	ماجد ...	۱۵۰
فائق ...	۱۱۱	مختار ...	۱۵۳
نامی ...	۱۱۲	اسد ...	۱۵۴
مشایق ...	۱۱۳		

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمدِ داور گوہرِ کانِ سخن * نعمتِ سرورِ جوہرِ جانِ سخن
 فصلِ یزداں نے ہدایتِ دی مجھے * حمدِ سبحان نے سعادتِ دی مجھے
 نعمت نے بخشا شرفِ برتر کیا * قطرۂ فاجیز کو گوہر کیا
 یہ دعا ہے اے ودودِ بے مثال * بھیج روز و شب درودِ بے مثال
 احمدِ مُرسل شہِ معراج پر * آل پر اصحاب پر ازواج پر
 اندیا پر اولیا پر ہو سلام * اتقیا پر اصفیاء پر ہو سلام
 میرے پیرانِ طریقت پر بھی ہو * مُرشدانِ پاک طینت پر بھی ہو
 نکتہ سنجانِ سخن سے عرض ہے * صاحبانِ علم و فن سے عرض ہے
 یہ ہے گلدستہ سخن کے باغ کا * یہ ہے گلدستہ دکن کے باغ کا
 ہے دکن کے شاعروں کا تذکرہ * ہے سخن کے ماہروں کا تذکرہ
 رونما ہیں واقعاتِ شاعراں * دل گشا ہیں سائنحاتِ شاعراں
 یہ سفینہ گلشنِ بیخار ہے * یہ خزینہ مخزنِ اہلِ معار ہے
 خیر ہو اے کردگارِ اس باغ کی * روز افزوں ہو بہارِ اس باغ کی
 اس کو بھی ہر دلعزیزی ہو نصیب * اس کی شہرت میں توفیٰ ہو نصیب
 چمکے ہر لفظ اس کا اختر کی طرح * آبرو بھی پلے گوہر کی طرح
 کام میرا التجا دن رات ہے * نام تیرا قاضی الحاجات ہے
 تجھ سے گوہر کی دعا ہے روز و شب
 یہ وظیفہ ای خدا ہے روز و شب

اما بعد - سنہ ۱۹۲۷ ع میں صوبہ مدراس میں محکمۂ تفتیح
 السنۃ مشرقیہ (اور اینڈل ری سرچ انسٹیٹیوٹ) قائم ہوا - اور
 میرا تقرر بہ عہدۂ جونیر ریڈر عمل میں آیا - علاوہ اور فرائض مفوضہ کے
 میں نے یہ تذکرہ فارسی اور اردو کے اُن شعرا کا تالیف کیا جس کو

ب

مدراس یونیورسٹی کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ اس کو بنظرِ قدردانی ملاحظہ فرمایا جائیگا اور میری محنت کی داد دیجائیگی *

اس تذکرے میں سنہ ۷۷۰ ہجری سے سنہ ۱۲۷۰ ہجری تک جو شعرا گزرے ہیں، اُن کا حال میں نے بڑی تحقیق سے درج کیا ہے۔ اس میں اُن ۱۴۷ شعرا کا حال درج ہے جو جنوبی ہند اور دکن میں پیدا ہوئے یا دوسرے شہروں سے جنوبی ہند میں پہنچے تھے۔

اس کتاب میں تین باب اور ایک ضمیمہ ہے اور ہر باب کی کئی کئی فصلیں ہیں، جو ذیل کی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

پہلا باب - فارسی گو شعرا کا حال - اس میں آٹھ فصلیں ہیں -
فصلِ اول - وہ فارسی گو شعرائے ایران جو شمالی ہند سے دکن میں آئے -

فصلِ دوم - وہ فارسی گو شعرا ہندوستان جو شمالی ہند سے دکن میں آئے -

فصلِ سوم - وہ فارسی گو شعرا جو دکن ہی میں پیدا ہوئے -
فصلِ چہارم - وہ فارسی گو شعرا ایران جو دوسرے شہروں سے مدراس میں آئے -

فصلِ پنجم - وہ فارسی گو شعرا ہندوستان جو دوسرے شہروں سے کرناٹک آئے -

فصلِ ششم - وہ فارسی گو شعرا ہندوستان جو دوسرے شہروں سے مدراس آئے -

فصلِ ہفتم - وہ فارسی گو شعرا جو کرناٹک میں پیدا ہوئے *
فصلِ ہشتم - وہ فارسی گو شعرا جو مدراس میں پیدا ہوئے *
دوسرا باب - دکنی شعرا کا حال - اس میں تین فصلیں ہیں *
فصلِ اول - وہ شعرا جن کی ولادت - نشو و نما اور ترقی دکن میں ہوئی *

فصل دوم - وہ شعراء جو مختلف بیرون دکن شہروں سے دکن آئے اور یہیں توطن اختیار کیا -

فصل سوم - وہ دکنی شعراء جو مدراس میں پیدا ہوئے *

تیسرا باب - اُن فارسی گو ایرانی شعراء کا حال جو شمالی ہند

سے دکن آئے اور چند روز مقیم رہ کر واپس چلے گئے *

اس تذکرے میں شعراء کے ناموں کو بہ ترتیب تہجی نہیں لکھا گیا ہے - بلکہ تقدم زمانی کا خیال رکھا گیا ہے - البتہ تذکرہ گلزار اعظم (مولفہ نواب غلام محمد غوث خان بہادر اعظم، نواب کرناٹک) سے جو شعراء منتخب کئے گئے ہیں اُن میں حروف تہجی کی ترتیب ہے - اُن میں سے اکثر شعراء وہ ہیں جو گلزار اعظم کی تالیف، یعنی سنہ ۱۲۶۹ ہجری تک بقید حیات تھے *

اس کتاب کے دوران تالیف میں ذیل کی کتابیں میرے مطالعے

میں تھیں اور اُن سے میں نے مدد لی ہے :-

- (۱) تاریخ فرشتہ، مصنفہ محمد قاسم فرشتہ -
- (۲) کلمات الشعراء مصنفہ محمد افضل سرخوش -
- (۳) خزائن عامرہ، مصنفہ میر غلام علی آزاد بلگرامی -
- (۴) گلشن بیخار، مصنفہ نواب مصطفیٰ خاں شریف -
- (۵) صبح وطن اعظم، مصنفہ نواب غلام محمد غوث خان بہادر اعظم نواب کرناٹک -
- (۶) نتائج الافکار مصنفہ محمد قدرت اللہ خاں قدرت -
- (۷) گلزار اعظم، مصنفہ نواب غلام محمد غوث خان بہادر اعظم نواب کرناٹک -
- (۸) تاریخ عزیز دکن، مصنفہ مولوی عبد العزیز صاحب فرزند مولوی مہدی صاحب و اصف -
- (۹) دیوان ممتاز، مصنفہ نواب عمدة الامراء بہادر ممتاز فرمانروا کرناٹک -
- (۱۰) مثنوی رشک قر، مصنفہ نادر (نام نامعلوم) -
- (۱۱) محبوب الزمن، مصنفہ مولوی ابوتراب محمد عبد الجبار خاں صاحب -

- (۱۲) آب حیات، مصنفہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد -
 (۱۳) مضامین شرر، از مولوی عبد الحلیم صاحب شرر -
 (۱۴) تاریخ ادب اردو، مصنفہ رام بابو صاحب سکسینہ، مترجمہ
 مرزا محمد عسکری صاحب -

جہاں میری یہ دعا ہے کہ رب الارباب اس تذکرے کو قبولیت دوام عطا فرمائے، وہاں میں یہ بھی دعا کرتا ہوں (اور ناظرین سے بھی استدعا کرتا ہوں کہ وہ بھی میرا ساتھ دیں) کہ جن حضرات شعرا کا اس تذکرے میں ذکر ہے ان سب کو ارحم الراحمین مغفرت نصیب کرے، کیونکہ وہی فارسی اور اردو زبان کے اصلی محسن ہیں -

آخر میں بہ ادب یہ گزارش ہے کہ میں نے حق المقدور اپنی طرف سے انتخاب و تحقیق حالات شعرا میں کوئی کمی نہیں کی - ممکن بلکہ یقین ہے کہ ابھی یہ تذکرہ بہت ہی نامکمل ہو اور سیکڑوں مشاہیر میری نگاہ سے چھوٹ گئے ہوں، یا میں نے اپنی کمی قابلیت سے قصداً چھوڑ دیے ہوں - اگر ناظرین کرام بجلے زبان طعن دراز کرنے کے مجھے میرے سقموں پر منتقبہ فرما کر اس تذکرے کی تکمیل میں مدد فرمائیں گے تو میں بے حد ممنون ہوں گا اور آئندہ ایڈیشن میں یہ مکمل ہوسکیگا -

آخر یہ مشترکہ جائداد ہے اور جنوبی ہند کے باشندے کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کی صلاح و فلاح میں جان توڑ کوشش فرمائیں -

جیسا کہ میں ابھی عرض کر آیا ہوں مجھے اپنی کمی استعداد کا اعتراف ہے - وہ کونسا انسان ہے جو اپنے آپ کو ”انسان کامل“ کہہ سکے - معال ہے کہ نامکمل کا کوئی کام بھی مکمل نہ کیا جاسکے - وصلي الله تعالى علي افضل الانبياء واشرف اولاد آدم محمد مصطفیٰ الذي هو انسان الكامل ولا ريب فيه -

خاکسار محمد منظور گوہر (مخاطب بہ امیر الشعرا و نجم الفضلا)

نائر خاندان نوابان کرناٹک و منصبدار ہزاراگر الٹد ہائڈس اعلمی حضرت

(حضور نظام دکن خلد اللہ تعالیٰ ملکہ)

جام بازار - مدراس

پہلا باب

فارسی گو شعرا کا حال

فصلِ اوّل

وہ فارسی گو شعرا ایران جو شمالی ہند سے دکن میں آئے

آذری

آذری تخلص - سید حمزہ نام - شیخ نور الدین لقب - فرزند خواجہ علی ملک سردار بہ - وطن اسفراین (علاقہ خراسان) سال ولادت سنہ ۷۱۴ ہجری - ماہ آذر میں پیدا ہوئے اسلئے آذری تخلص اختیار کیا - بہت بڑے پائے کے شاعر اور نہایت ذہین شخص تھے - عنوان جوانی ہی میں سلطان شاہ رخ مرزا کی سرکار میں بڑا رسوخ حاصل کیا اور بڑی عزت پائی، یہاں تک کہ خطاب ملک الشعرائی سے سرفراز ہوئے - پھر گوشہ نشینی اختیار کی اور حضرت محی الدین طوسی کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں کیں - ان کے انتقال کے بعد سید نعمت اللہ سے مستفیض ہوئے - خرقہ خلافت آپ ہی سے پایا - متوسط عمر میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو کر ہندوستان پہنچے اور سلطان احمد شاہ بہمنی اوّل فرماں رواے گلبرگہ کی سلک ملازمت میں داخل ہوئے اور بادشاہ کی تعریف میں کئی پُر زور قصیدے لکھے - بادشاہ نے بھی ان کی بڑی قدر دانی کی اور یہاں سے بھی ملک الشعراء کا خطاب پایا - بارہا بدیش بہا انعامات سرکار شاہی سے عطا ہوئے -

ایک دفعہ بادشاہ سے وطن جانے کی اجازت چاہی مگر نہ ملی، ناچار خاموش ہو رہے اور کسی ذریعے کی فکر میں لگے - ان دنوں گلبرگہ

میں دارالامارۃ شاہی زیر تعمیر تھا - جب تعمیر ختم ہوئی تو آپ نے یہ دو شعر پتھر پر کھدوا کر دارالامارۃ کے دروازے پر نصب کرائے :-

حبذا قصر مشید کہ ز فرط عظمت

آسمان سُدَّہ از پایۂ این درکاہ است *

آسمان ہم نقواں کفّت کہ ترکِ ادب است

قصرِ سلطانِ جہاں احمدِ بہمن شاہ است *

ایک روز اتفاق سے بادشاہ کی نظر ان اشعار پر پڑی تو پڑھ کر پتھر گیا - شہزادۂ علاء الدین ساتھ تھے - پوچھا کہ کس کا کلام ہے ؟ انہوں نے آذری کا نام لیا - چونکہ موقع اچھا تھا، ساتھ ہی عرض کیا کہ ”آذری اپنے وطن کی جدائی میں سخت بے تاب ہیں اور اجازت کے خواستگار - وہ کہتے ہیں کہ اگر مجھے وطن جانے کی اجازت مل جائے تو جو جج میں نے کیا ہے اُس کا آدھا ثواب نذر حضور کرونگا“ - بادشاہ یہ سن کر ہنس پڑے اور فوراً اجازت عطا فرمائی اور ساتھ ہی خلعتِ خاص، پانچ ہندی غلام اور چالیس ہزار تنگہ نقرہ (ایک تنگہ = ایک تولہ) عنایت ہوئے - شیع بہت شکر گزار ہوئے اور عرض کیا کہ ”لا یحمل عطایاکم الا مطایاکم“ بادشاہ نے اور بیس ہزار تنگے سفر کے خرچ کے لئے دئے - چلتے ہوئے آذری نے بادشاہ سے وعدہ کیا کہ تازیبست ”بہمن نامہ“ کی تصنیف میں مصروف رہونگا جس کا آغاز ہو چکا تھا - چنانچہ مدتِ العمر اِس وعدے کا ایفا کرتے رہے اور ایک سال میں جتنا حصّہ نظم کر لیتے، وطن سے بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیتے تھے - سلطان ہمایوں شاہ بہمنی تک پہنچنے پائے دئے کہ پیغامِ اجل آ پہنچا - باقی حصّے کو ملا نظیری ملا سامعی اور دیگر شعرا نے پورا کیا -

شیع یہ انعامات لیکر وطن پہنچے - بقیہ عمر عبادتِ الہی میں گزار دی - مزید برآں دسبست سخاوت و خیرات وسیع کیا - چنانچہ ایک مہمانسرای بنواکر اِس کو وقف کر دیا - ایسی سخاوتیں ظاہر ہے

کہ آتے خطیر مال کو کفایت نہیں کرسکتیں - سلطان احمد شاہ انتقال کر چکے تھے - مجبوراً سلطان علاء الدین شاہ بہمنی ثانی (سنہ ۸۳۰ ہجری تا سنہ ۸۶۱ ہجری) کو ایک عریضہ لکھا - بادشاہ نے اس کا جواب دستِ خاص سے لکھ کر شیخ کا اعزاز بڑھایا اور اس کو عطایہ کثیر کے ساتھ شیخ کے پاس بھیجا -

آخر سنہ ۸۶۱ ہجری میں بیاسی سال کی عمر پاکر واصل بحق ہوئے - آذری نے ایک مبسوط دیوان مشتمل بر قصائد و غزلیات و قطعات وغیرہ یادگار چھوڑا ہے - من اشعارہ :-

بہ مجلسِ کہ درو گنج کبریا بخشند
ہزار افسرِ شاہی بیک گدا بخشند *
دلا بَمی کدہ ہا روز و شب گدائی کن
بود کہ دُرُ کُشاں جرعہ بہا بخشند *
شدیم پیر بہ عصیان و چشمِ آن داریم
کہ جُرمِ ما بہ جوانانِ پارسا بخشند *
غلامِ ہمّتِ آن عارفانِ ہاکرم
کہ یک صواب بہ بینند و صد خطا بخشند *
بہ کوی میکدہ از مفلسی چہ غم دارم
کہ ساقیانِ ہمہ جامِ جہاں نما بخشند *
بہ نیمِ ساعتِ ہجرِ آذری نمی ارزد
ہزار سالِ کُرش در جہاں بقا بخشند *
تاریخ انتقال آذری :-

چراغِ دل بہ مصباحِ حیاتش
بہ انواعِ حقائقِ داشتِ پرتو *
چو او مانندِ خسرو بود در شعر
از ان تاریخِ فوٹش گشتِ خسرو *
سنہ ۸۶۱ ہجری

خواجہ محمود گاوڑا

تخلص معلوم نہیں - عماد الدین نام - خواجہ لقب - وطن قاولان - سال ولادت کا پتہ نہیں چلا - خواجہ محمود گیلان کے ایک قریۃ قاولان میں پیدا ہوئے - اسی مناسبت سے محمود گاوڑا کے نام سے مشہور ہو گئے -

خواجہ بہت بڑے فاضل عصر تھے - علوم عقلی و نقلی خصوصاً ریاضی اور طب میں خاص مہارت رکھتے تھے - نثر و نظم و انشائیہ میں تو ممتاز الافاضل تھے - علم دوست ، قبیلہ پرور ، قیاض ، قدردانِ علم و ہنر ، رحم دل ، خوش خلق ، متواضع ، منکسر المزاج اور عابد و زاہد تھے - قیاضی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ اپنے ہم عصر فضلا کو خراسان اور عراق تک تحفے بھیجنا کرتے تھے -

خواجہ محمود کا خاندان ہمیشہ سے معزز و محترم رہا ہے - آپ کے اجداد شاہانِ گیلان کے وزیروں میں سے تھے - شدہ شدہ ان میں سے ایک سریر آراء سلطنتِ رشت ہوا اور اُس کا خطبہ منبروں پر پڑھا گیا - یہ سلسلہ تاجدارِ شاہ طہماسپ صفوی دارایِ ایران کے زمانے تک خواجہ کے خاندان میں رہا - ہوش سنبھالنے اور علم و کمال حاصل کرنے کے بعد لوگ اُن کے ایسے محسوس ہوئے کہ مجبوراً اپنی والدہ کے ایما پر وطن چھوڑنا پڑا - آپ کی والدہ بھی مشایخ دیں کے خاندان کی ایک فرد تھیں - عراق و خراسان کے بعض بادشاہوں نے آپ کو اپنا وزیر بنانا چاہا مگر آپ نے قبول نہ کیا اور تجارت کو اختیار فرمایا - اسی تقریب سے اکثر دیارِ اصرار کو دیکھا اور ہر جگہ کے علماء اور مشایخ کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے -

تینتالیس برس کی عمر تھی کہ آپ ایک تاجر کی حیثیت سے دکن پہنچے - شاہِ محب اللہ قدس سرہ اور دیگر مشایخ کا شہرہ سنکر اُن کی ملاقات کے لئے احمد آباد بیدر گئے - اُس اثنا میں خواجہ کے علم و فضل اور اخلاق کا دکن میں شہرہ ہو چکا تھا - بیدر سے واپس

اَنَا چاہا تو سلطان علاء الدین بہمنی ثانی (سنہ ۸۳۸ ہجری تا سنہ ۸۶۳ ہجری) نے آپ کو روک لیا اور اپنے امرا میں داخل کر لیا۔

ہمایوں شاہ (ظالم) بہمنی (سنہ ۸۶۳ تا سنہ ۸۶۵ ہجری) کے عہد میں ملک القبحار کا خطاب پایا، وزیر اور جملۃ الملک کے منصب پر سرفراز ہوئے اور بڑی شایستہ خدمتیں انجام دیں۔ سلطان محمد شاہ بہمنی ثانی (سنہ ۸۶۷ تا سنہ ۸۸۷ ہجری) کے عہد میں خواجہ جہاں کا خطاب اور منصب امیر الامرائی پایا۔ بادشاہ نے خلعت خاص عطا فرمایا اور یہ حکم دیا کہ خواجہ کے نام کے ساتھ یہ الفاظ لکھے جایا کریں:۔

”مجلس کریم، ستید عظیم، ہمایوں اعظم، صاحب السیف والقلم، مخدوم جہانیاں، معتمد درگاہ شاہاں، آصف جم نشاں۔

امیر الامراء ملک، نائب الملک، ملک القبحار، محمود گواں المختاطب بدخواجہ جہاں۔“

خواجہ خلعت و خطاب سے سرفراز ہونے کے بعد فوراً اپنے خزانے کے حجرے میں گئے، شاہی خلعت اُتار کر فقیرانہ لباس پہنا اور بہت روئے۔ حجرے سے نکلے تو تمام نقد و جنس و جواہر اور دیگر سامان جو بذریعہ تجارت و امارت جمع کیا تھا، احمد آباد بیدر کے علما و فضلا اور سادات میں تقسیم کر دیا۔ کتابیں اور ہاتھی گھوڑے رکھ لئے اور کہا کہ کتابیں طلبا کا حق ہے اور ہاتھی گھوڑے بادشاہ کی ملک ہیں۔ یہ چند روز کے لئے میرے پاس امانت ہیں۔

خواجہ اور ملا جامی میں خط و کتابت رہا کرتی تھی۔ ملا صاحب نے خواجہ کی مدح میں دو قصیدے لکھے ہیں۔ جن کے دو دو شعر ہم یہاں درج کرتے ہیں:۔

پہلا قصیدہ:۔ مرحبا اي قاصدِ کلکِ معاني مرحبا

الصَّلاَ کزجان و دل بذل تو کردم الصَّلا *

ہم جہانرا خواجہ و ہم فقر را دیباچہ اوست

آیت الفقر لاکن تحت استقار الفنا *

دوسرا قصیدہ :- جامی اشعار دلاویز تو جنسے است لطیف

پودش از حسن بود لطف معانی تارش *

ہمراہ قافلہ ہند رواں کن کہ رسد

شرف و عز قبول از ملک التجارش *

خواجہ نے سنہ ۸۷۲ھ میں ایک عالی شان مدرسہ اور مسجد

احمد آباد بیدر میں بنوائی ۔ سامعی نے مدرسے کی حسب ذیل

تاریخ کہی :-

ابن مدرسہ رفیع و محمود بنا

چوں کعبہ شد است قبلہ اہل صفا *

آثار قبول ہیں کہ شد تاریخش

از آیت ربنا تقبل منا *

سنہ ۸۷۲ ہجری

خواجہ نے سلطان محمد بہمنی کی مدح میں ایک قصیدہ

کہا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں :-

شد شکل ضرب تیغت بردوش جاں حمائل

ہیکل ز حرز سیفی انگہ ہراس ای دل *

تیغ تو آب حیواں مردم ز حسرت آن

آرے بہ عہد من شد آب حیات قاتل *

خواجہ کی موت کا واقعہ نہایت درد ناک ہے ۔ آپ کی روز

افزون ترقی کو دیکھ کر اکثر اقران و امثال آپ کے بے سبب دشمن ہو گئے

تھے ۔ ظریف الملک دکنی ، مفتاح حبشی اور ملک حسن نظام الملک نے

آپ کے قتل کی سازش کی اور اُس حبشی غلام کو جس کے پاس

خواجہ کی مہر رہتی تھی اپنے ساتھ ملا لیا ۔ ایک روز اُس کو خوب

شراب پلائی اور جب وہ بیہوش ہو گیا تو ایک سفید کاغذ اُس کو دیکر

خواجہ کی مہر اُس پر کرائی ۔ پھر اُس کاغذ پر خواجہ کی طرف سے

اُریسہ کے رائے کے نام خط لکھا ، جس کا مضمون یہ تھا کہ ”بادشاہ کی

شراب خواری اور ظلموں سے ہم تنگ آ گئے ہیں ۔ تمہاری قلیل توجہ سے

دکن فتح ہو سکتا ہے - تم فوج لیکر یہاں پہنچو - میں بھی تمہاری مدد کروں گا اور اکثر امرا سے مدد دلاؤں گا کیونکہ وہ میرے تابع فرماں ہیں - بادشاہ کو اس کے کثیر کردار کو پہنچا کر ہم دونوں آپس میں علی السوئے ملک کو تقسیم کر لینگے - ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی نے ملک حسن نظام الملک بحری کے سامنے یہ تحریر بادشاہ کو دکھائی - بادشاہ نے خواجہ کی مہر پہچان کر فوراً خواجہ کو طلب کیا - خواجہ نے یہ شعر جو اُس زمانے میں ورڈ زباں رہتا تھا پڑھا :

چوں شہید عشق در دنیا و عقبی سر خرواست

خوش دمے باشد کہ مارا کشتہ زبں میداں برند *

اور کہا کہ جو ڈاڑھی ہمایوں شاہ کی خدمت میں سفید ہو رہی ہے اگر اُس کے بیٹے کے ہاتھ سے سرخ ہو تو سرخروئی کا باعث ہوگا - قسمت کا لکھا تل نہیں سکتا -

خواجہ جب بادشاہ کے سامنے آئے تو اُس نے پوچھا کہ ”اگر کوئی شخص اپنے ولی نعمت سے نمک حرامی کرے اور اُس کا ثبوت بھی مل جائے تو اُس شخص کی کیا سزا ہے؟“ یہاں تو حساب پاک تھا - خواجہ نے بے ساختہ کہا کہ ”جس بدبخت سے ایسی حرکت سرزد ہو اُس کی گردن مار دینی چاہئے“ بادشاہ نے وہ خط خواجہ کو دکھایا - خواجہ حیران رہ گئے اور قرآن مجید کے یہ الفاظ کہے کہ ”سبحانک ہذا بہتان عظیم“ پھر کہا کہ ”مہر تو بلاشبہ میری ہے مگر تحریر میری نہیں -“ بادشاہ ایک تو شراب میں مست تھا دوسرے غصے کا بہوت اُس پر سوار تھا، بغیر مزید تحقیقات کے جوہر نامی حبشی کو خواجہ کی گردن مارنے کا حکم دیکر حرم سرا کی طرف چلا گیا - خواجہ نے بہ آواز بلند کہا کہ ”مجھ جیسے بوزھ کا قتل تو آسان ہے مگر میرا خون ناحق رنگ لائیگا اور تمہاری رسوائی اور خرابی کا باعث ہوگا“ بادشاہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور حرم سرا میں داخل ہو گیا - تاریخ شاہد ہے کہ وہی ہوا جو خواجہ نے کہا تھا - جوہر حبشی تلوار لئے ہوئے

موجود تھا۔ وہ آگے بڑھا تو خواجہ دوزانو ہو کر قبلہ رو ہو بیٹھے اور کلمہ طیبہ پڑھنے لگے۔ جب تلوار کی ضرب پڑی تو خواجہ نے کہا ”الحمد لله علي الشهادة“ اور جاں آفریں کو جان دیدی۔

شہادت کے وقت خواجہ کا سن اٹھتر برس کا تھا۔ یہ واقعہ ۵ صفر سنہ ۸۸۶ ہجری کو ہوا۔ ملا عبد الکریم ہمدانی صاحب معمود نسائی نے جو خواجہ کے شاگرد تھے، یہ قطعہ تاریخ شہادت کہا :-
شہید بے گنہ مخدوم مطلق

کہ عالم را ز جودش بود رونق *

اگر خواہی تو تاریخ وفاتش

فرو خواں قصہ قتل بذائق *

سنہ ۸۸۶ ہجری

ایک اور تاریخ یہ ہے :-

سال فوتش گر کسی پرسد بگو

بے گنہ معمود گاواں شد شہید *

سنہ ۸۸۶ ہجری

یوسف

یوسف تخلص - یوسف عادل خاں نام - ابو ظفر لقب - فرزند سلطان مراد - وطن ملک روم - سال ولادت سنہ ۸۴۱ ہجری -

سنہ ۸۵۴ ہجری میں ان کے والد نے رحلت کی اور ان کے بڑے بھائی سلطان محمد سریر آراء ملک روم ہوئے تو ارکان دولت کی تحریک سے تمام خاندان کے افراد کے قتل کا حکم دیا جس میں یوسف بھی شامل تھے۔ سلطان محمد کی والدہ کو اپنے چھوٹے بیٹے یوسف بہت عزیز تھے۔ انہوں نے ان کی جان بچانے کی یہ تدبیر کی کہ خواجہ عماد الدین معمود گرجستانی، تاجر ساوہ سے ساز باز کر کے یوسف کو اُس کے غلاموں میں داخل کر دیا اور اُس سے چند غلام خرید کر ان میں سے ایک کو جو یوسف سے مشابہ تھا قتل کر دیا۔ قدرت الہی کے

کہنیل کہ ایک بے گناہ تو قتل ہو گیا اور یوسف کو ایک سلطنت کا حکم راں بنانے کے لئے بچا لیا گیا۔ خواجہ عماد الدین یوسف کو اپنے قافلے میں لیکر بغداد شریف روانہ ہوا۔ وہاں سے اپنے وطن ساوہ میں پہنچا اور یوسف کی پرورش اپنے بیٹے کے ساتھ کرنے لگا اور اُس کی خوب تعلیم و تربیت کی۔

رفتہ رفتہ یہ راز طشت ازبام ہو گیا کہ یوسف زندہ ہے۔ اتفاقاً اسی زمانے میں یوسف اور حاکم ساوہ کے متعلقین میں سے ایک سے کچھ چھٹرا ہو گیا۔ یوسف کو اپنی جان کا خطرہ ہوا تو وہ ساوہ کو چھوڑ کر سمیر و سیاحت کے لئے نکل گئے۔ کچھ دنوں کے بعد ساوہ واپس جانے کا قصد کیا۔ ایک رات خواب میں حضرت خضر (علی نبینا و علیہ السلام) نے اُن کو دولت و عظمت کی بشارت دی اور ہندوستان کی طرف جانے کی ہدایت کی۔ اُس کے موافق وہ غلام ہند ہوئے اور اپنے محسن خواجہ عماد الدین کی معیت میں احمد آباد بیدر پہنچے۔

خواجہ عماد الدین اور خواجہ محمود گاواں ایک مدت کے دوست تھے۔ یوسف کے اصرار پر خواجہ محمود گاواں کی وساطت سے نظام شاہ بہمنی (سنہ ۸۶۵ ہجری تا سنہ ۸۶۷ ہجری) کے ہاتھ اُن کو فروخت کر دیا۔ خواجہ محمود گاواں نے اُن کے صفات سن کر اور صورت شکل دیکھ کر اُن کو اپنا متبئی بنالیا اور خواجہ کی توجہ سے یوسف ایک قلیل عرصے میں ترقی کے بڑے مدارج طے کر کے چند ہی روز میں امرائے ہزاری کے رتبے پر پہنچ گئے۔

یوسف پر سلاطین بہمنیہ کی فوج جان دیتی تھی اور اُنکے اخلاق نے اکثر مغل اور ترک امرا کو اُن کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ سلطان محمد شاہ بہمنی (سنہ ۱۰۲۷ ہجری تا سنہ ۱۰۸۷ ہجری) نے انتقال کیا تو سب نے بالاتفاق یوسف کو منصب شاہی کے لئے انتخاب کیا۔ چنانچہ انہیں کے سر پر تاج رکھا گیا اور وہ بہ خطاب عادل شاہ تخت دکن پر جلوہ گر ہوئے۔ یہی خاندان عادل شاہی کے بانی ہوئے۔ انہوں نے سنہ ۱۰۹۵ھ میں بیجاپور کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور سنہ ۱۱۱۶ ہجری تک حکمرانی

کرتے رہے۔ وہ اس زمانہ عروج میں بھی اپنی غریبی نہیں بھولے اور ساوہ میں بیس ہزار روپیہ بھیج کر ایک مسجد بنوائی جو ”مسجد غرباں“ کے نام سے مشہور ہوئی۔ یوسف عادل شاہ نہایت حسین شخص تھا۔ بڑھاپے میں بھی اس کو دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ بیجاپور آیا کرتے تھے۔ بڑا عالم و فاضل اور عالموں کا قدرداں تھا۔ علم عروض و قافیہ اور موسیقی میں کمال حاصل تھا۔ خطاط بھی بہت اچھا تھا۔ جوانمردی و عدل و انصاف میں دور و نزدیک مشہور تھا۔ خود سنی المذہب تھا۔ مگر اتنا غیر متعصب کہ مذہب شیعہ کو اپنی سلطنت میں رواج دیا۔ شاعر تھا اور شاعر نواز۔ اس کے اشعار کا نمونہ یہ ہے :-

تا بارِ غم عشق کشد قافلہ * گلہا شکفت ہر طرف از مرحلہ
با آنکہ بجاں باتو نکردیم بخیلی * پیش دگراں بہرچہ کردی گلہ
ما مسئلہ فقہ ندانیم چہ یوسف * آساں شدہ از عشق بقاں مسئلہ

گرواری بہ دردِ دل ناتوانِ من
کے می رسد بمرگ کساں رشک جانِ من *
با آنکہ صدر ہم بجفا آزمودہ
تیغے کشیدہ ز پئے امتحانِ من *
ای گل رسیدہ است بگوشِ توقصہ ام
بلبل نخواند وقتِ سحر داستانِ من *
گویا کہ بلبلانِ چمن نقل کردہ اند
حرفے ز بے وفائیِ گل از زبانِ من *
یوسف بہ زاری دلِ من گوش کس نکرد
کو بختِ آن کہ گوش کند داستانِ من *

اکیس برس تک بڑے اقبال و کامرانی سے سلطنت کی۔ آخر سنہ ۱۱۶ ہجری میں پیغامِ اجل آ پہنچا۔ ۷۵ سال کی عمر میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ تاریخِ وفات یہ ہے :-
بگفتا۔ نمادہ شہنشاہِ عادل
سنہ ۱۱۶ ہجری

شہیدی

شہیدی تخلص - مرزا شہید نام - سال ولادت کا پتہ نہ چلا -
عالم مقبجر اور شاعر کرامی پایہ تھے - کسی شاعر کو اپنا ہمسر نہیں
سمجھتے تھے - سلطان یعقوب فرماں رواے تبریز کے مقرب اور صاحب
تھے - بادشاہ کی طرف سے خطاب ملک الشعرائی سے سرفراز ہوئے - معاصرین
ان کے جاہ و جلال کو دیکھ کر حسد رکھتے تھے - مگر بادشاہ کی نظر
لطف و کرم کی وجہ سے نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے - جب ان کے
مرتبے بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو انہیں بھی تبریز کا قیام دشوار ہو گیا -
مجبوراً سفر اختیار کیا - وطن سے نکل کر گجرات پہنچے - وہاں بھی
دال گلتی نہ دیکھی تو سلطان اسماعیل عادل شاہ (سنہ ۱۱۲۰ تا سنہ ۱۱۴۱ھ)
کے عہد حکومت میں بیجاپور کا رخ کیا - چونکہ بادشاہ خود شاعر اور
اہل علم کا خواہاں تھا، اس لئے یہ بادشاہ کے مقرب ہو گئے اور بڑی
قدر ہوئی -

قلعہ احمد آباد بیدر فتم ہوا تو بادشاہ نے زرو جواہر سمیت تمام
چیزیں جو کروڑوں روپے کی مالیت کی تھیں مقربین دربار اور
مستحقین کو تقسیم کر دیں - شہیدی سے بھی کہا کہ ”خزانے میں جا کر
جس قدر مال اٹھا سکتے ہو لے لو“ انہوں نے عرض کیا کہ ”جب میں
گجرات سے یہاں آیا تو خوب قوی تھا“ اب ضعیف ہو گیا ہوں
طاقت برداشت زیادہ نہیں - کچھ روز مہلت ملی تو مجھ میں
طاقت آجائیگی“ جب حکم کی تعمیل کرونگا“ - بادشاہ نے
مسکرا کر فرمایا :-

کہ آفت ہاست در تاخیر و طالب رازیاں دارد

اور یہ اجازت دی کہ اچھا ایک مرتبہ نہیں دو دفعہ خزانے سے
جتنا اٹھا سکو اٹھا لے - شہیدی نے حکم کی تعمیل کی اور دو دفعہ
میں تقریباً پچیس ہزار ہون طلائی لے آئے - خازن نے بادشاہ کو اس کی
اطلاع دی تو بادشاہ نے ہنس کر فرمایا کہ ”شہیدی سچ کہتے تھے کہ
ان کی قوت بہت کم ہو گئی ہے“ -

شہیدی نے ایک دیوان کئی ہزار شعر کا چھوڑا ہے - نمونہ کلام
ذیل میں درج ہے :-

از سرِ کویت شہیدی را مراں ، خونش مریر
دوست را بگذار تا شرمندہ دشمن شود *
چو ابر من بہوے تو از جہاں رفتم
گلے نچیدم و گریاں ز گُلستان رفتم *
رقیب از آتش ہجرش من مہجور می سوزم
نمی سوزی تو از نزدیک و من از دور می سوزم *

بہ سے درداں نشینی کے فقد ہر مانگہ، از دور
نہ قدرِ حسن می دانی نہ دردِ عشق آہ از تو *

قریب ایک سو سال کی عمر پا کر سنہ ۱۳۶ ہجری میں انتقال کیا
اور بیجاپور ہی میں سپرد خاک ہوئے -

شاہ طاہر الحسینی

طاہر تخلص - طاہر الحسینی نام - شاہ لقب - موضع خوند وطن -
سال ولادت کا پتہ نہ چلا -

ساداتِ خوند میں سے تھے - خوند ایک موضع ہے ، جو گیلان کی
سرحد پر قزوین کے علاقے میں واقع ہے - علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ
تھے - اپنے باپ کے بعد سجادہ نشین ہوئے - شاہ اسماعیل صفوی
بادشاہ ایران کے عہد میں پہلے کاشان میں مدرسہ کی خدمت پر
مامور ہوئے -

چونکہ ان کے معتقدین بہت کثرت سے تھے ، اس لئے بعض لوگ
ان سے حسد کرنے لگے - اور شکایتوں کے علاوہ یہ بات بھی بادشاہ کے گوش
گذار کی گئی کہ شاہ طاہر بد مذہب ہیں ، اس پر بادشاہ نے ان کے قتل کا
حکم صادر کر دیا -

شاہِ طاہر کو خفیہ طور پر اس کا علم ہوا تو اپنے اہل و عیال کے ساتھ چھپ کر ہندوستان روانہ ہو گئے۔ کچھ روز بیجاپور میں قیام کیا۔ پھر حرمین شریفین (زاد ہماللہ شرفاً) اور دیگر مقامات مقدسہ اور عقباتِ عالیات کی زیارتوں سے مشرف ہو کر ہندوستان واپس آئے۔ جب مقام پریندہ میں پہنچے تو خواجہ جہاں دکنی نے، جو امرائے بہمنیہ سے تھے، شاہِ طاہر کی بڑی خاطر داری کی اور اپنے یہاں مہمان رکھا۔ آخر سنہ ۹۳۸ ہجری میں برہان نظام شاہ اول فرمانروائے احمد نگر (سنہ ۹۱۴ تا سنہ ۹۶۱ ہجری) کی طلب پر احمد نگر گئے۔ بادشاہ ان سے تواضع کے ساتھ پیش آیا اور بہت قدر افزائی فرمائی۔ برہان نظام شاہ سنی المذہب تھا۔ شاہِ طاہر کی ترغیب سے مذہبِ امامیہ اختیار کیا۔ شاہِ طاہر علم و عمل زہد و تقویٰ اور اخلاق حمیدہ سے مُتَّصِف تھے، بہت سی کتابیں اُن کی تصنیف سے ہیں۔ مُصَنَّف تاریخ فرشتہ مثنوی گلشن راز کو جو تصوف میں ہے، انہیں کی تصنیف بتاتا ہے۔ لیکن تذکرۂ نقائے الافکار، شیخ محمود کو اس کا مصنف کہتا ہے۔

شاہِ طاہر بڑے پایے کے شاعر تھے۔ عربی اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کا کلیاتِ نظم قصائد و غزلیات و رباعیات مجموعہ ہے۔ فارسی کلام کا یہ نمونہ ہے :-

جلوۂ زلف شاہدے بُرد دلِ رمیدہ را

پسے بہ کجا برد کسے مرغ بہ شب پریدہ را *

وہ چہ شود اگر شبے بر لبِ من نہی لبے

تا بہ لبِ تو بسپرم جانِ بلبِ رسیدہ را *

در غمِ اولِ لذتِ عشق از دلِ ناشاد رفت

خو بغمِ کردیم چندانے کہ عیش از یاد رفت *

بیروں مہیا کہ شہرۂ ایام می شوی

ما کشتہ می شدیم تو بدنام می شوی *

رباعیات

ماہم کہ ہرگز دم بے غم نہ زدیم
 خوردیم بسے خونِ دل و دم نزدیم *
 بے شعلہ آہ لب زہم نکشودیم
 بے قطرہ اشک چشم برہم نہ زدیم *

گر کسبِ کمال می کنی می گزرد
 ور فکرِ محال می کنی می گزرد *
 دنیا ہمہ سر بسر خیال است محال
 ہر نوع خیال می کنی می گزرد *

شاہ طاہر نے سنہ ۱۵۱ ہجری میں انتقال کیا - پہلے لاش امانت
 احمد نگر میں دفن کی گئی - چند ماہ کے بعد ہڈیاں کربلائے معلیٰ کو
 بھیج دی گئیں اور وہاں مشہدِ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے قریب دفن کر دی گئیں -

صفی

صفی تخلص - شیخ محمد نام - شیراز مولد - سالِ ولادت
 معلوم نہوسکا - صاحبِ علم و فن اور شاعرِ شیریں سخن تھے -
 خوش خلقی اور بذلہ سنجی میں بہت مشہور تھے - علمِ ریاضی میں
 خاص مہارت تھی -

سلطان محمد قلی قطب شاہ والی گولکنڈہ (سنہ ۱۸۱ تا سنہ ۱۰۳۰ھ)
 کے عہد میں دکن پہنچ کر شاہی ملازمین کے زمرے میں منسلک ہوئے -
 دفترِ محاسبی میں مدیر منشی کے عہدے پر تقرر ہوا -

چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

رخسار تو مصحفی است بے سہو و غلط

کش کلک قضا نوشت از مشکِ فقط *

چشم و دھنت آیہ و وقف ابرو مد

مژگانِ اعراب و خال و خطِ حرف و نقط *

سنہ ۱۷۱۵ ہجری میں اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ بمقام حیدر آباد
میر مومن کے دائرے * میں مدفون ہوئے۔

رضائی

رضائی تخلص - ملا محمد نام - مشہد وطن - سال ولادت کا
پتہ نہ چلا۔

ابوالمظفر علی عادل شاہ (سنہ ۱۵۶ تا سنہ ۱۰۸ ہجری)
فرمانرواے بیجاپور کے عہد کے شاعر تھے۔ اس سے زیادہ ان کے کچھ اور
حالات معلوم نہ ہو سکے۔

سنہ ۱۸۸ ہجری میں جب ایک خواجہ سرانے بادشاہ کو شہید
کیا تو رضائی نے قطعہ تاریخ کہا۔ یہی ان کا نمونہ کلام ہے :-

آہ کہ دستِ اجل در چمنِ عدل و داد

نخلِ فتوت بکند شاخِ مروت درید *

بر فلکِ خسروی گشت ازیں ماجرا

مہرِ کرمِ مخفقی، ماہِ سخانا پدید *

خسرو عادل لقب، شاہ علی نام آنکہ

ظلم بدورانِ او کس نشنید و ندید *

وقتِ وداع جہاں تانہ رود تلخ کام

از کفِ ساقیِ دہر شہدِ شہادت چشید *

* میر مومن نے جن کا حال آگے آتا ہے، چند ہیگہ زمین افتادہ حیدر آباد میں خرید کر
اسکو صاف اور ہموار کرایا۔ پھر لاکھوں روپیہ خرچ کر کے کربلے معلیٰ کی خاک چند جہازوں
میں بار کر کے منگوائی اور اس میدان کو قد آدم کھدوا کر مٹی نکلوا دی اور اس میں
یہ خاک پائے پھرا کر اس قطعے کا نام ”میر کا دائرہ“ رکھا اور اس کو ہیجہ و سنی کے
دفن کے لئے وقف کر دیا۔ اس دائرے کا ذکر آئندہ اکثر آئیکا۔

منشی دوزان غیب از بی تاریخ آن

بر سرِ دوراں نوشت شاہ جہاں شد شہید *

سنہ ۱۸۸ ہجری

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رضائی سنہ ۱۸۸ ہجری تک زندہ تھے۔
اس کے آگے نہ ان کے حالات نہ ان کے انتقال کی تاریخ اور مدفن کا پتہ
چلتا ہے۔

فرح

فرح تخلص - فرح اللہ نام - شوستر وطن - سال ولادت معلوم
نہو سکا۔

محمد قلی قطب شاہ فرمانرواے حیدر آباد دکن کے زمانے میں حیدر آباد
آئے۔ اگرچہ صاحب تذکرۃ محبوب الزمن نے اُن کا حیدر آباد آنا سلطان
عبد اللہ قطب شاہ کے زمانے میں لکھا ہے، لیکن سلطان مذکور سنہ ۱۰۲۵ھ
میں تخت نشین ہوا ہے اور فرح نے سنہ ۱۰۱۰ ہجری میں وفات پائی۔
اس لئے فرح غالباً محمد قلی قطب شاہ کے زمانے میں آئے ہونگے،
جس نے سنہ ۹۸۹ سے سنہ ۱۰۲۰ ہجری تک حکمرانی کی تھی۔ ہم نے
اسی سال اور اسی بادشاہ کے عہد کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ بہر حال
بادشاہ کی توجہ نے انہیں دولت و ثروت سے مالا مال کر دیا *

بلند پایہ اور شیریں زباں شاعر تھے۔ عربی میں بھی شعر کہتے تھے۔
مرزا صائب نے اپنی ایک غزل کے مقطع میں ان کی نسبت یہ خیال
ظاہر کیا ہے :-

ہمیں زخاک فرح کامراں نشد صائب

کہ فیض ہم بظہوری ازیں جناب رسید *

چار ہزار شعر کا ایک دیوان چھوڑا، جس کے چند اشعار یہ ہیں :-

در ہوائ باد گلرنگ بے تا بیم ما

سالہا شد کو ہوا داراں این آ بیم ما *

از رے ببانگ ہرزہ دریاں نمی روم

کے میدہد فریب عدلے جرس مرزا *

مغان کہ دانہ انگور آب می سازند
 ستاره می شکند آفتاب می سازند *
 ذرہ از بالا روی خورشید تابان کے شود
 مور گر بر تخت بنشیند سلیمان کے شود *
 سنہ ۱۰۱۰ ہجری میں اس جہان فانی سے رحلت کی - مدفن
 معلوم نہیں -

وحشی

وحشی تخلص - کاشان وطن - نام اور سال ولادت معلوم نہوسکا -
 وطن چھوڑ کر ہندوستان کا رخ کیا - مختلف شہروں کی سیاحت
 کرتے ہوئے سلطان عبد اللہ قطب شاہ (سنہ ۱۰۳۵ تا سنہ ۱۰۸۳ ہجری)
 کے عہد میں گولکنڈہ پہنچے - بادشاہ نے ان کی اچھی قدر کی -
 وحشی نے انہیں کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کی -

عالم و فاضل اور نامور شاعر تھے - فن شعر میں مولانا محقق
 کاشی سے تلمذ تھا - سنہ ۹۹۹ ہجری میں شیراز میں تھے اور وہیں ان کی
 غزل گوئی کی شہرت ہو چکی تھی - عمر بھر سوائے غزل کے کچھ نہیں
 کہا - کلام میں رنگینی اور شیرینی تھی -

من اشعاره :-

ندارد آسماں ہم در خور امید من کامے
 از اں ہرگز ندیدم بر مراد خویش دوراں را *
 گر سرشک آتشیں ریزد دل من دور نیست
 شعلہ نقواند نگہ دارد شرار خویش را *
 از شوق سوختن دل من در ہوا گرفت
 باغے کہ چرخ نام زد و جان لالہ کرد *
 گشتم چنان ضعیف کہ در گلشن وصال
 ہر دم مرا نسیم بسوی دگر برد *

تا چشمِ نیمِ مستِ تُو دیدِ روزگار
 خاکِ سیہ بہ کاسۂ چشمِ غزالہ کرد *
 شبِ گزاری بہ دلِ بے خور و خوابم کردی
 آنقدر گرم بکشتی کہ کبابم کردی

سنہ ۱۰۱۳ ہجری میں بمقامِ گولکنڈہ انتقال کیا - مولف
 'محبوب الزمن' نے لکھا ہے کہ وحشی سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے
 زمانے میں دکن پہنچے اور سنہ ۱۰۱۳ ہجری میں وفات پائی - لیکن
 سلطانِ مذکور سنہ ۱۰۳۵ ہجری میں تخت پر بیٹھے تھے - معلوم
 ہوتا ہے کہ وحشی سلطان عبد اللہ کے پیشرو کے عہد میں دکن آئے ہونگے
 یا سنہ ۱۰۱۳ ہجری کے بعد انہوں نے انتقال کیا -

ارسلان

ارسلان تخلص - قاسم نام - مشہد وطن - والد کا نام اور سال
 ولادت معلوم نہو سکا -

شہنشاہِ ہند اکبر (سنہ ۹۶۲ تا سنہ ۱۰۱۲ ہجری) کے عہدِ
 دولت میں وطن سے ہندوستان پہنچے ' چند روز ملازمینِ شاہی کے
 زمرے میں رہے - پھر احمد آباد گجرات گئے - کچھ روز وہاں مقیم رہکر
 دکن کی طرف رخ کیا - پہلے احمد نگر گئے ' وہاں سے بیجاپور' پھر
 گولکنڈہ گئے اور وہاں سے احمد نگر کو مراجعت کی - ہر ملک کے
 فرماں رواؤں نے بڑی قدر افزائی کی اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا -

صحیح النسب سید تھے - علم و فن میں یکتا اور شاعر
 بے نظیر تھے - تاریخ گوئی اور خطاطی میں خاص شہرت رکھتے تھے -

من اشعار :-

آہِ دلِ گر اترے داشتے * شامِ امیدم سحرے داشتے
 کرد سورت گشتے و کردے طواف * کعبہ اگر بال و پرے داشتے
 سنہ ۱۰۱۵ ہجری میں سفرِ آخرت پیش آیا اور وہیں مدفون ہوئے -

فانی

فانی تخلص - خواجہ احمد نام - دہدار علاقہ شیراز وطن - صحیح سال ولادت معلوم نہوسکا - کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سنہ ۱۰۱۶ ہجری میں بعمر ۶۹ سال رحلت کی - اس حساب سے سنہ ۹۴۷ ہجری میں پیدا ہوئے ہونگے -

حصولِ علم کے بعد ہی فابز دکن ہوئے - علی عادل شاہ (سنہ ۹۶۵ تا سنہ ۹۸۸ ہجری) والی بیجاپور کے ملازمین میں داخل ہوئے اور رفتہ رفتہ بادشاہ کے مقرب اور مصاحب خاص ہو گئے - اپنے استاد شاہ فقہ اللہ کی تعریف کر کے بادشاہ کو اُن کی ملاقات کا شوق دلایا - چنانچہ ایک گراں قدر رقم بھیج کر شاہ صاحب موصوف دکن طلب کئے گئے - مصنف تاریخ بیجاپور نے اندازہ لگایا ہے کہ ان کے آنے میں چالیس ہزارہوں صرف ہوئے - آخر علی عادل شاہ کی رحلت کے بعد شاہ فقہ اللہ کو شہنشاہ اکبر نے اپنے پاس بلالیا -

فانی بڑے عالم و فاضل صوفی مشرب تھے - علوم عقلی و نقلی میں ماہر تھے - انہوں نے بیجاپور کو چھوڑا اور احمد نگر جاکر برہان نظام شاہ ثانی (سنہ ۹۹۸ تا سنہ ۱۰۰۰ ہجری) کے ناظر سلطنت ہو گئے - بقیۃ العمر یہیں بسر کی - آخری عمر میں گوشہ نشین ہو گئے تھے -

’نفحات الانس‘ پر حواشی اور شرح لکھی - ’گلشن راز‘ ان ہی کی تصنیف بتائی جاتی ہے - مگر اس کے مصنف کے متعلق اختلاف ہے - تاریخ فرشتہ میں شاہ طاہر کو ’تذکرۃ نقائے الافکار میں شیعہ محمود شبستری کو اور تذکرۃ محبوب الزمن میں فانی کو اس کا مصنف بتایا گیا ہے -

فانی صاحب دیوان تھے - ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے :-

یک جرعه کہ از حریف مستت برسد

پس چاشنی دم السمت برسد *

این جام نہادہ اند بر طاق بلند

پا بر سرِ خویش نہ کہ دست بردسد *

۶۹ سال کی عمر میں سنہ ۱۰۱۶ ہجری میں وفات پائی -
'خدا شناس' سے سالِ رحلت نکلتا ہے -
۱۰۱۶ھ

حیاتی

حیاتی تخلص - مرزا حیاتی نام - کاشان وطن - سالِ پیدائش معلوم نہوسکا - ابتدا میں سقائی تخلص کرتے تھے اور الحاد و زندقہ مشرب تھا - ایک زمانہ دراز تک ملاحظہ کے ہم نوالہ و ہم پیالہ رہے - ایک مرتبہ اہل کاشان نے تنگ آکر اس فرقے کے ایک گروہ کو شاہِ طہماسپ صفوی کے حضور میں پیش کیا - ان ہی میں سقائی (حیاتی) بھی تھے - بادشاہ نے سب کو قید کرنے کا حکم دیا - سقائی بھی قید ہوئے - دو سال کے بعد رہا ہوکر شیراز گئے اور وہاں دو سال مقیم رہے - سنہ ۹۸۶ ہجری میں اپنے وطن کاشان کی طرف مراجعت کی - وہاں ہدایت دستگیر ہوی، توبہ کرکے دینِ نبوی کی پیروی اختیار کی - کچھ روز کے بعد سیاحتاً دکن آئے اور احمد نگر میں نظام شاہ بحری کے ملازم ہو گئے -

شہنشاہِ جہانگیر (سنہ ۱۰۱۴ تا سنہ ۱۰۳۶ ہجری) نے اپنے کسی مقرب سے حیاتی کی تعریف سنی، اُن کو بلواکر مراجع خسروانہ سے سرفراز فرمایا - سنہ ۱۰۱۹ ہجری میں مثنوی تغلق نامہ مصنفہ حضرت امیر خسرو، بادشاہ کی نظر سے گزری اور بہت پسند آئی، مگر اس کا ایک حصہ گم ہو چکا تھا - بادشاہ نے تمام شعراے دربار کو حکم دیا کہ اس کو مکمل کریں - سب کی تحریریں پیش ہوئیں تو حیاتی کی نظم پسندِ خاطر اقدس ہوئی - حکم دیا کہ حیاتی کو چاندی سونے میں تولد جائے - چھ تھیلیاں اشرفی اور روپیوں سے بھری ہوئی حیاتی کی

ہم وزن نکلیں۔ جو ان کو عطا فرمادی گئیں۔ سعیدائے گیلانی نے 'شاعر
سنبجیدۂ شاہی' اسی واقعے کی تاریخ کہی۔
۱۰۱۱ ہجری

من اشعار :-

در دل من درد افزودی و میگوئی منال
آتشے در جانم افکندی و می گوئی مسوز *
خاکِ کوبی تو ز سیلِ مژہ پر نم کردیم
تا غبارے بقو از رہِ گزرِ مانرسد *
در بلای عاشقی دل یاری من می کند
جان فدای او کہ جانب داری من می کند *
می نمایم شاد خود را گرچہ می میرم ز جور
تا نیاید رحم در خاطر جفا کار مرا *
بہرِ شوخِ کو نداند دوستی در اصل چیست
خلق را با خود حیاتی از چہ دشمن کردہ *
بے لعل تو گر خون رود از چشمِ تر من
شادم کہ نیاید دگرے در نظر من *

حیاتی کی تاریخ انتقال یا مدفن معلوم نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ
سنہ ۱۰۱۹ ہجری تک زندہ تھے۔ کیونکہ اسی سال وہ چاندی
سونے میں تولد گئے تھے۔ اسی لئے ہم نے ان کا حال فرح (المقوفی)
سنہ ۱۰۱۰ ہجری کے بعد لکھا ہے۔

سنبجر

سنبجر تخلص۔ مرزا سنبجر نام۔ فرزند میر حیدر معماٹی۔ کاشان
وطن۔ سال ولادت معلوم نہوسکا۔ شاعر فصیح و بلیغ تھے۔ پہلے
اکبر اور امراء اکبری کے مداح رہے۔ پھر ابراہیم عادل شاہ کی خدمت

میں پہنچ کر ایک طویل قصیدہ پیش کیا۔ اس کے صلے میں بادشاہ نے خلعتِ خاص اور زمرہ کی بیش بہا انگوٹھی عطا فرمائی۔

من اشعاره :-

مرا کجاست پر وبالِ قربِ شعلہٴ حسن
ہمیں بس است کہ پروانہ ام سپند ترا *
ہمیں ترانہٴ حسرت ز تارِ می آید
کہ بزمِ بے می رنگیں چہ کارِ می آید *
اگرچہ کار تو غیر از جفا نمی باشد
وظیفہٴ دلِ ما جز دعا نمی باشد *
ما خود ز آرزو بشہادت رسیده ایم
خوہاں صواب نیست کہ فکرِ دیت کنند *
بہ پیرِ گم شدہ فرزند گو کہ گفت ترا
کہ اعتماد بہمراہی برادر کن *

ظہوری

ظہوری تخلص - ملا محمد طاہر نام - نور الدین لقب - توشیز واقع
ملک ایران مولد و منشأ - سال تولد معلوم نہر سکا۔

مفلوک الحال والدین کے فرزند تھے۔ کچھ پیت کی مہجوری، کچھ
آب و دانہ کی کشش نے بیجاپور پہنچایا۔ حکیم الحکماء مرزا محمد یوسف
کے مہمان ہوئے اور ان ہی کی وساطت سے ابراہیم عادل شاہ تک
رسائی ہوئی *

نثر میں 'میثا بازار' اور 'سہ نثر ظہوری' ان دونوں کی مشہور آفاق
تصانیف ہیں۔ آخر الاسم کتاب بادشاہ کی تعریف میں ہے۔ زبردست
فاضل اور اعلیٰ پایہ کے نثر و ناظم تھے۔ فنِ شعر میں ملازیدی کے شاگرد
تھے۔ برہان نظام شاہ (سنہ ۱۱۸۰ تا سنہ ۱۲۰۳ ہجری) والی احمد نگر کے

نام پر ساقی نامہ لکھا۔ جس کے صلے میں بادشاہ نے کئی ہاتھی، جن پر نقد و جنس بار تھا، ظہوری کو عطا فرمائے۔ کہتے ہیں کہ جس وقت یہ عطیہ سلطانی پہنچا تو ملا ایک قہوہ خانے میں بیٹھے ہوئے ملے۔ لانے والوں نے رسید مانگی۔ ظہوری نے پرزہ کاغذ پر یہ الفاظ لکھ کر حوالے کر دیے:-

”تسلیم کردند - تسلیم کردم۔“

ہر چند کہ ظہوری کی نظم و نثر مشہور و مطبوع ہے، مگر ہم ان کے چند اشعار دیوان سے انتخاب کر کے ذیل میں لکھتے ہیں:-

چشم را پردہ خود کردہ بدیدن رفتم
پنبہ در گوش نہادہ بہ شنیدن رفتم *

از دم تیغے مگر تن بہ تبیدن دہم
سرمہ حیرت کشم، دیدہ بدیدن دہم *

بند نقابے کشم تیغ و تزنج آورم
یوسف و یعقوب را کف بہ بریدن دہم *

ذوق حُسنش بر تماشاہی گل خسار داشت
گر نمی بُردند زود آئینہ با خود کار داشت *

بجگر تشنگی خضر دلم می سوزد
کہ سر چشمہ تیغے دم آبے نکشید *

از ساقی نامہ

بیا ساقی لے خرمن گل بیا
تو گل من خزان دیدہ بلبل بیا *
بہ رویم در خندہ بستن چرا
تبسم بلب در شکستن چرا *

بیا ساقیا بگذر آن روز را
 بده آتشِ مغذرت نسوز را *

بیا ساقی ای باز خاطرشکار
 که خونی است چنگِ عقابِ خمار *
 ز گلبین چمن گشته طاموس دُم
 برون آر خونِ کبوتر زخم *

اسیرِ خمارم شرابی کجاست
 دلم بر دلم سوخت آبی کجاست *
 بکش خنجر انتقام از غلاف
 سورتِ گردم ای ساقی سینه صاف *

بیا ای نمکِ پاشِ زخمِ جگر

*

که بختم ز اشکم بود شور تر *

*

ببین تلخیِ عمرِ شیرین من
 بده ساغرِ بگذر از کین من *

بیا ساقیا جانِ فدا می کنم
 تو دشنام ده من دعا می کنم *

زالِ تو تلخی که سر می زند
 ره کاروانِ شکر می زند *

سورتِ گردم ای مطربِ خو برو
 که مرغوله گوئی و مرغوله مو *

شدم پایمالِ هجومِ ملال

بدستِ کرمِ گوشِ قانونِ بمال *

بیمکِ نغمه بنوازِ گوشِ مرا

بهرِ مزدِ کالایِ هوشِ مرا *

ظہوری وہ صاحبِ کمال تھا کہ اُس کے جوہر کو دیکھ کر ملکِ قمتی نے، جو ابراہیم عادل شاہ کے دربار کے ملک الشعراء تھے، اپنی دختر کو اُن سے منسوب کر دیا تھا۔ بقول ’خزانۃ عامرہ‘ یہ آفتابِ کمال سنہ ۱۰۲۵ ہجری میں دکن ہی میں غروب ہو گیا *

ملکِ قمتی

اُن کا نام اور سال ولادت وغیرہ کچھ معلوم نہ ہو سکے۔ ایران سے ہندوستان آئے اور سلاطینِ دکن خصوصاً ابراہیم عادل شاہِ ثانی کے دربار میں قسمت نے پہنچا دیا۔ اُن کی قسمت کا ستارہ اسی بادشاہ کی عنایتِ خاص سے چمکا۔ ملک الشعراء کا خطاب بھی اسی سرکار سے ملا۔ ملکِ قمتی ملا ظہوری کے حُسر تھے۔ اُن دونوں نے ملکر ایک کتاب ’نورس‘ لکھی اور علی عادل شاہ کو نذر کی۔ اِس کتاب میں نو ہزار شعر ہیں۔ بادشاہ نے اِس کے صلے میں نو ہزار ہون انعام دئے۔

ملکِ قمتی بہت بڑے شاعر تھے۔ اُن کے بعض اشعار بطور نمونہ یہ ہیں :-

دل و دین بُردی و صد عہدہ برپا کردی
ہیچ کافر نکند آنچه تو باما کردی *

او بہلاکِ من خوش و من بہ بقائے عمر او
قاعدۂ وفا نگر یار چنان و من چنیں *

ز خونِ خویش ابراں قطرہ می برم غیرت
کہ گاہِ قتل بدامانِ قاتل افتاد است *

خاریم و در برابرِ آتش نشسته ایم
مارا اگر رسد مددے از صبا رسد *

دو شینہ مہے بودی و امروز ہلالی

آزردنِ یکرورزۂ ما خوش اثرے داشت *

سنہ ۱۰۲۵ ہجری میں راہی ملک بقا ہوے - تاریخ وفات
 ”او سراہل سخن بود“ سے نکلتی ہے -
 (۱۰۲۵ ہجری)

کوکبی

کوکبی تخلص - قباد بیگ نام - سال ولادت معلوم نہوسکا -
 شاہ عباس بادشاہ ایران کے غلام تھے - ان کے علم و فضل کو دیکھکر
 بادشاہ نے مدتوں اپنے سے جدا نہونے دیا - آخر ایران سے دکن آئے -
 قطب شاہ والی گولکنڈہ کے دربار میں قسمت نے باریاب کیا -
 بادشاہ نے ازراہ قدر افزائی ان کے نام منصب جاری فرمایا - اپنی باقی
 ساری عمر یہیں گزاری -
 من اشعار :-

ہرچہ ہم رنگ بہ معشوق بود معشوق است

نقص عشق است کہ پروانہ بہ مہتاب نسوخت *

با کائنات کردم ازاں دوستی کہ یار

در ہر دلے کہ جلوہ کند در دل من است *

سنہ ۱۰۳۳ ہجری میں انتقال کیا - میر کے دایرے میں
 مدفون ہوے -

مؤمن

مؤمن تخلص - میر مؤمن نام - سید شرف الدین سماکی کے
 فرزند تھے - استر آباد وطن - سال ولادت معلوم نہوسکا -

مشہور ساداتِ استر آباد سے تھے - اپنے ماموں سید فخر الدین
 سماکی سے درسی کتابیں پڑھیں اور علوم عقلی و نقلی حاصل کئے -

فارغ التحصیل ہونے کے بعد شاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں بار پایا، اور شہزادہ حیدر سلطان کے استاد مقرر ہوئے۔ شہزادہ موصوف کے انتقال کے بعد معاصرین کے حسد سے تنگ آکر ایران کو خیرباد کہا اور حرمین شریفین (زاد ہما اللہ شرفاً و تعظیماً) کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ حج و زیارت سے فارغ ہو کر ہندوستان کی طرف رُخ کیا۔ محرم سنہ ۹۰۹ ہجری میں بعد سلطان ابراہیم قطب شاہ (سنہ ۹۵۷ تا سنہ ۹۸۹ ہجری) حیدر آباد دکن میں پہنچے۔ یہاں دربار شاہی تک رسائی ہوئی اور منصب مقرر ہو گیا۔ اسی سال بادشاہ موصوف کا انتقال ہو گیا۔ اُن کا فرزند سلطان محمد قلی (سنہ ۹۸۹ تا سنہ ۱۰۲۰ ہجری) جانشین ہوا۔ اِس بادشاہ نے مؤمن کو قلمدان وزارت سپرد کیا۔ میر مؤمن نے ملک کا ایسا اچھا انتظام کیا کہ رعایا آرام و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگی۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ اپنی سیادت، تبجر علم، زہد و تقویٰ، عدل و انصاف اور اخلاقِ حمیدہ سے ہر دل عزیز ہو گئے۔ ہزاروں علماء و فضلاء دکن میں اُن کی سفارش سے عہدہ ہائے جلیلہ پر سرفراز ہوئے۔ میر کا دائرہ (جس کی تفصیل صفی کے ذکر میں ہو چکی ہے) اُن کی نیکی اور فیاضی کی ایک مثال ہے۔

میر مؤمن کو جفر اور نجوم اور عملیات میں بھی مہارت تھی۔ شاعر بھی اچھے پایے کے تھے۔ اُن کا دیوان اصنافِ سخن پر مشتمل ہے۔ کلام صاف و شستہ ہوتا تھا۔ نمونہ یہ ہے :-

شادمانی است بندۂ غم ما * عالمِ دیگر است عالمِ ما
 حبذا عشق و رستخیزِ بلا * ای خوشا روزگارِ درہمِ ما
 شکرِ دردِ تو چوں کنیم کہ ہست * داغِ بالائے داغِ مرہمِ ما
 شاہِ اقلیمِ درد و غمِ مائیم * ملکِ ہجراں سوادِ اعظمِ ما
 سایۂ عشقِ کم مبادِ کزو * سورِ شد داغِ دارِ ماتمِ ما
 نمکِ آن دودیدہ خوشِ نمکِ است * کم ز کوثرِ مگیرِ زمزمِ ما

یہ بیضے وصل کو کہ فراق * گشتہ ثعبان آتش دم ما
 صرف اب ہم نشیں مگو با ما * روز وصل از زبان ابکم ما
 غمگساری منجر از مومن * غم ما از کجا و ہر ہم ما
 میر مومن نے عمر طویل پائی - سنہ ۱۰۱۴ ہجری میں سلطان محمد
 قطب شاہ (سنہ ۱۰۲۰ تا سنہ ۱۰۳۵ ہجری) کے زمانے میں بمقام
 حیدر آباد انتقال ہوا اور اپنے ہی دائرے (میر کا دائرہ) میں مدفون ہوئے -
 قبر پر بادشاہ کی طرف سے نبد بنایا گیا، جو اب تک موجود ہے، اُن کے
 ایک شاگرد نے یہ تاریخ رحلت کہی :-

تاریخ رفتن طلبیدم ز عاملے

گفتا بہ جوز ”رفتن عیسیٰ بہ آسمان“ *

۱۰۳۴ ہجری

دانش

دانش تخلص - میررضی الدین نام - فرزند میر ابو تراب المتخلص
 بہ فطرت - مشہد وطن - سال ولادت معلوم نہوسکا -
 ابتدائی کتب اپنے والد سے اور انتہائی کتابیں مختلف اساتذہ سے
 پڑھیں - تحصیل علم کے بعد وطن سے حرمین شریفین کی زیارت کے لئے
 روانہ ہوئے اور حج و زیارت سے مشرف ہوکر اپنے والد کی خدمت میں
 ہندوستان آئے، جو پہلے ہی سے یہاں مقیم تھے -

دانش نہایت فصیح و بلیغ شاعر تھے - سنہ ۱۰۶۵ ہجری میں
 شاہ جہاں (سنہ ۱۰۳۷ تا سنہ ۱۰۷۷ ہجری) کی خدمت میں ایک قصیدہ
 مدحیہ پیش کیا اور دو ہزار روپیہ انعام پایا - کچھ روز شہزادہ دارا شکوہ
 ولی عہد شاہ جہاں کی صاحبیت میں رہے - شہزادہ موصوف نے
 دانش کے اس شعر کو بہت پسند کیا :-

تاک را سر سبز دارای ابر نیساں در بہار

قطرہ قائم می تواند شد چرا گوہر شود *

اور ایک لاکھ روپے انعام مرحمت فرمائے۔
 پھر دارا شکوہ کی رفاقت چھوڑ کر بنگالے گئے اور اُن کے بھائی
 شاہزادہ شجاع کے مصاحب ہوئے۔

اُن کو بی بی چھوڑ کر حیدر آباد کی راہ لی۔ اِس زمانے میں
 سلطان عبداللہ قطب شاہ (سنہ ۱۵۳۵ تا سنہ ۱۵۷۳ ہجری) مالکِ تاج
 و تختِ حیدر آباد تھے۔ اُن کی سرکار میں بہت رسوخ پیدا کیا۔

سنہ ۱۵۶۰ ہجری میں دانش کے والد نے انتقال کیا اور میر کے
 دائرے میں دفن ہوئے۔ دانش کو اپنے باپ کے مرنے کا سخت صدمہ ہوا۔
 اِسی غم میں یہ رباعی کہی :-

دانش مکن اعتماد بر عمرِ دراز * کاید بہ زمانِ کم بسرِ عمرِ دراز
 گیرم کہ چو عیسیٰ بہ فلکِ بر شدہ * آید بچہ کار بہ پدرِ عمرِ دراز
 قطب شاہ کی طرف سے سنہ ۱۵۷۲ ہجری میں نائب کر کے
 مشہد مقدس کی زیارت کے لئے بھیجے گئے۔ بادشاہ کی طرف سے لوازمِ
 زیارت ادا کر کے وہیں مقیم ہو گئے۔ قطب شاہ کے دربار سے وہیں انہیں
 بیشِ قرار مالی امداد ملتی رہی۔

من اشعار :-

فصلِ گل است جوشِ بہارِ سخنِ مرا

گلِ کرد ہمچو غنچہ زباںِ دردِ ہنِ مرا *

نہ شد کہ بوسہ بہ پایِ ہدفِ چو تیرِ دہم

گذشتِ عمر بہ خمیازہٗ کہاں مارا *

شمعِ درِ آتشِ ز تابِ رویِ نورِ افشانِ کیست

درمیانِ انجمنِ پروانہ سرگردانِ کیست *

کعبہ را دیدم دلم از دردِ تنہائیِ گداخت

مجلسِ آراے کہ مارا خواند خودِ مہمانِ کیست *

آبروی دودمانِ تاک ہم برباد رفت
دخترِ رز را عسس صد بار با مستان گرفت

ماوی بلبلِ عرضِ چاکِ سینہ می کردیم دوش
نازِ پروردِ گلستانِ زخمِ خارے ہم نداشت *

وصلِ یاران چون دہد رو اشکِ ریزی بد نما ست
گریہ شادی کم از بارانِ روزِ عید نیست *

ای ہما از سرِ ما خاکِ نشینان بگزر
سایہ بالِ تو بد نامیِ دولت دارد *

چسان از قیدِ این صیادِ آزادی ہوس باشد
کہ پروازِ بلندم تالابِ بامِ قفس باشد *

دانشِ سنہ ۱۰۷۱ ہجری میں اس جہانِ فانی سے چل بسے -

فطرت

فطرتِ تخلص - میرزا معزالدین محمد نام - موسوی خاں
خطاب - قم وطن - سال ولادت سنہ ۱۰۵۰ ہجری - ”افضل اہل زمانہ“
تاریخِ پیدائش - ۱۰۵۰ ہجری

حضرت امام علی موسوی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے
صحیح النسب سید ہیں - ذی علم خاندان سے تعلق رکھتے تھے
چنانچہ ان کے نانا میر محمد زمان مشہد مقدس میں اپنے ہم عصر
علما کے سرگروہ مانے جاتے تھے -

ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی - عنفوانِ جوانی میں اپنے
والد سے کبیدہ خاطر ہو کر اصفہان چلے آئے اور وہاں آقا حسین خوانساری
کے تلامذہ میں شریک رہ کر تمام علوم معقول و منقول ان ہی سے
حاصل کئے -

سنہ ۱۰۸۲ ہجری میں بعہد شہنشاہ اورنگ زیب (سنہ ۱۰۶۵ تا سنہ ۱۱۱۸ ہجری) ہندوستان آئے۔ دربار شاہی میں رسائی ہوئی۔ جوہر شناس بادشاہ نے خوب قدر افزائی کی اور شاہ نواز خاں صفوی کی دوسری بیٹی سے میرزا کی شادی کر کے اپنی ہم زلفی کا شرف بخشا۔ اس کے بعد عظیم آباد پٹنہ کی دیوانی پر مامور فرمایا۔ چند ہی روز میں وہاں کے ناظم بزرگ امیر خاں، فرزند امیر الامرا شایستہ خاں، سے میرزا کی شکر رنجی ہو گئی۔ ایک طرف ناظم صاحب اپنی خاندانی عظمت پر نازاں تھے، دوسری طرف میرزا صاحب کو اپنے فضل و کمال اور بادشاہ کی ہم زلفی پر غرہ تھا۔ اس کشاکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ انتظام میں خلل پیدا ہو گیا۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو میرزا کو واپس بلا لیا۔

انشا پردازی اور شاعری میں بڑا بلند پایہ رکھتے تھے۔ معقولات میں تو ”انا ولا غیر“ کا دم مارتے تھے۔ چنانچہ اس شعر میں اپنی فضیلت کو جتایا ہے :-

من مرغ خوش ترانہ باغ فضیلتم

طبع مرا بہ زمزمہ شاعری چہ کار *

مگر پھر بھی شاعری کرتے تھے اور واقعی خوب کہتے تھے۔ اشعار ذیل سے اس کا اندازہ ہوگا :-

سید راہ معصیت ہا شد پریشانی مرا

داشت عربانی نگہ ز آلہ دامانی مرا *

عیب صاحب نظراں جوش تنک ظریفی ہاست

آب یاقوت چو زد موج رگ یاقوت است *

چو سوز عشق را کامل کنی عیبت ہنر گرد

شود یاقوت ہر سنگی کہ لبریز شرر گردد *

چھر و کاں را نارسا افتادہ استعداد فیض

گوہر آب دیدہ و یاقوت خون دل نشد *

ندارد آفتے چوں غنچہ از صرصر چراغ من
برنگت لاله در آفوش ناخن خفته داغ من *

مرد حق در عین دنیا داری از دنیا بری است
ملک در دست سلیمان نیست در انگشتری است *
عشق در مصر جنوں لاف خدائی می زند
حسن اگر یوسف شود در کسوت پیغمبری است *

ذوق عشق آئینہ دار راز دلہا میشود
چوں بخود مالد خموشی نالہ پیدا میشود *
سنہ ۱۱۰۱ ہجری میں دارالبقا کی طرف روانہ ہو گئے۔

امید

امید تخلص - میر محمد رضا نام - قزلباش خاں خطاب -
ہمدان وطن - سال ولادت معلوم نہوسکا -
شباب ہی میں وطن چھوڑ کر اصفہان چلے گئے اور یہاں مرزا طاہر وحید
کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا۔

اورنگ زیب (سنہ ۱۰۶۹ تا سنہ ۱۱۱۸ ہجری) کے عہد
دولت میں ہندوستان پہنچے اور شاہی منصب دار ہو گئے۔ شاہ عالم
بہادر شاہ کا زمانہ آیا تو قزلباش خاں کا خطاب اور جاگیر پائی۔
محمد معز الدین جہاندار شاہ کے عہد میں برہانپور کے دیوان مقرر ہوئے۔
چندے اس خدمت کو انجام دیکر، امیر الامرا حسین علی خاں کے ہمراہ
اورنگ آباد گئے۔ کچھ دن یہاں رہ کر مبارز خاں ناظم حیدر آباد کے
ہم رکاب حیدر آباد پہنچے اور ان کی مصاحبت میں رہے۔ مبارز خاں
جب نواب آصفیہ کے مقابلے کے لئے تیار ہوئے تو امید بھی ہم رکاب
ہو گئے اور میدان جنگ میں داد شجاعت دی۔ مبارز خاں مارے گئے۔
ان کے سپاہی کچھ مارے گئے، کچھ بھاگ گئے اور کچھ آصف جاہ کے

اسیر ہوے۔ غرض تمام فوج منتشر ہو گئی۔ امید منجملہ اُن لوگوں کے تھے جو قید ہوئے۔ اثنائے قید میں ایک غزل نواب آصف جاہ کو لکھ کر بھیجی۔ نواب نے ازراہِ قدر دانی نہ صرف اُنہیں رہا کیا بلکہ جاگیر و خدمت بھی بحال کر دی۔ ایک مدت تک سرفہ الحالی سے بسر کی۔ اس کے بعد حرمین شریفین (زاد ہما اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً) گئے اور حج و زیارت سے مشرف ہو کر ایک برس بعد دکن واپس آ گئے۔

سنہ ۱۱۵۰ ہجری میں نواب آصف جاہ حسب الطلب شاہی دہلی جانے لگے تو امید بھی ساتھ ہو لئے۔ بھوپال کے سفر میں بھی نواب کا دامن نہ چھوڑا۔ جب نواب دہلی سے دکن واپس ہوئے تو امید دہلی ہی میں رہ گئے۔ ’محبوب الزمن‘ میں بہ حوالہ ’تحفۃ الشعرا‘ لکھا ہے کہ دہلی میں نواب آصف جاہ کسی وجہ سے امید سے کشیدہ ہو گئے تھے، اسی لئے امید اُن کی رفاقت چھوڑ کر دہلی میں رہ گئے۔

امید خوش خلق، رنگین مزاج، ظریف الطبع، بڑے ذکی و طباع تھے۔ فن انشا و شاعری میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ ہندی موسیقی سے بھی خوب واقف تھے۔ راگ رنگ کا بڑا شوق تھا۔ اُن کے مکان پر ہر روز کبھی مشاعرہ ہوتا تھا اور کبھی رقص و سرود کی محفل جمتی تھی۔

لطیفہ :- ’محبوب الزمن‘ میں لکھا ہے کہ امید نے کسی سے بیان کیا کہ ”میں ایک روز نواب ذوالفقار خاں بن اسد خاں وزیر کی خدمت میں گیا اور زمانے کی شکایت کی۔ نواب نے فرمایا کہ دنیا کو امید کے ساتھ کھاتے ہیں“ میں نے عرض کیا کہ ”تو آپ کیوں میرے بغیر کھاتے ہیں“ نواب ہنس پڑے اور اُس روز سے روزانہ میرے یہاں کھانا بھیجنا مقرر کر لیا۔ نواب کے دستِ خوان سے انواع و اقسام کے کھانوں سے بھرے ہوئے خوان آتے تھے۔ میں خود کھاتا تھا اور فراغت سے احباب کو کھلاتا تھا۔“

من اشعارہ :-

خندۂ مستان بود از گریۂ مینا بلند

شاد گردد گر کسی غم ناک می سازد مرا *

برنگِ سرمه کہ در چشم کور ہے قدر است
کسے بہ ہیچ نہ گیرد دریں دیار مرا *

ناخدا را خضرِ راہے نیست جز انجم امید
کرد اشکِ آخر بکوبش رهنمائیِ ہا مرا *

ظلمِ ظالم چو شود پیرِ دو بالا گردد
بیشتر می بُرد آن تیغ کہ خمدار تر است *

بالای کسے بلایِ جاں شد
بالا تر ازین چہ می توان شد *
بودیم بہ دوستِ قیشِ خرسند
آن نیز نصیبِ دشمنان شد *
دیدہ گریاں میشود از دل چو آہے می کشم
آرے آرے راست باشد بادِ باران آورد *
امید سنہ ۱۱۵۹ ہجری میں اِس جہانِ گزراں سے گزر گئے ۔
میر غلام علی آزاد نے ذیل کی تاریخ کہی :-

خانِ سخن گستر و سحر آفرین
رختِ سفر بست ازین خاکِ داں *
سالِ وفاتش دلِ نالانِ من
یافتہ ”جاں دادہ قزلباش خان“
۱۱۵۹ ہجری

راز

رازِ تخلص - میر میراں نام - سید نوازش خان خطاب - فرزند علی
مردان خان اصفہانی - سالِ ولادت معلوم نہیں -
سلطان حسین مرزا صفوی کی طرف سے ایران کے سفیر ہو کر
فرخ سیر کی خدمت میں ہندوستان آئے - یہاں خوب عزت پائی -

پھر نواب آصف جاہ صوبہ دار حیدر آباد دکن (سنہ ۱۱۳۷ تا سنہ ۱۱۶۱ ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نواب بھی بڑی عزت سے پیش آئے۔ منصب و خطاب عطا فرمایا اور شہر اورنگ آباد کا داروغہ مقرر کر دیا۔ دکن کے امرا میں اُن کا شمار تھا۔ نواب کی زندگی تک نہایت عزت اور فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ نواب کی وفات کے بعد گوشہ نشین ہو گئے۔ چند روز کے بعد سنہ ۱۱۸۰ ہجری میں نواب والجاہ کے طلب فرمانے پر آرکات کا قصد کیا۔ مچھلی بندر تک پہنچنے پائے تھے کہ موت کی زنجیر پیروں میں پڑ گئی۔ وہیں دم واپسین جان آفریں کو سونپا۔ لاش مچھلی بندر سے اورنگ آباد بھیجی گئی۔ راز اپنے ہی باغ میں سپرد خاک کئے گئے۔

راز کی طبیعت موزوں تھی، اس لئے شعر نکال لیتے تھے۔ کسی سے کبھی اصلاح نہیں لی۔ راز کے انتقال کے بعد اُن کی بیاض جناب آزاد کو مل گئی۔ انہوں نے اکثر اشعار کو زیورِ اصلاح سے آراستہ کر دیا۔ بہر حال راز کا یہ رنگت ہے :-

صفحۂ آئینہ دارد ہر نفس نیرنگت ہا

بس کہ می باز رخ او از نرائست رنگت ہا *

غافل اند از ناز کی ہائے دل من کودکان

کل بر دیوانہ باشد سخت تر از سنگت ہا *

اگر از پردہ آن شور قیامت سربروں آرد

ز محشر پیشتر ہنگامۂ محشر ہوں آرد *

ز غفلت عمر ہا باشد کہ با عشرت ہم آغوشم

بیا اے غم کہ گردن بسترِ راحت فراموشم *

درگاہ

درگاہ تخلص۔ درگاہ قلی خان نام۔ مؤتمن الملک سالار جنگ

بہادر خطاب۔ فرزند خاندان قلی خان۔ ۲۹ رجب سنہ ۱۱۲۲ ہجری کو

سنگمیر میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت 'درگاہ قلی ز خاندان والا' ہے۔

ان کے خاندان کا مختصر حال یہ ہے کہ ان کے جدِ اعلیٰ خاندان قلی خاں (اول) قبیلۂ بور بور کے ترکمان تھے۔ علی مردان خاں حاکم قندھار کے پاس ملازم تھے۔ علی مردان خاں نے شاہ صفی شاہ ایران کی ناقدر دانیوں سے تنگ آکر استعفا دیدیا۔ خاندان قلی نے ان کی رفاقت کی۔ علی مردان خاں نے ان کو شاہ جہاں بادشاہ (سنہ ۱۰۳۷ تا سنہ ۱۰۷۷ ہجری) کی خدمت میں اپنے عریضے کے ساتھ بھیجا۔ بادشاہِ قندھار نے ان کو خلعتِ خاصہ سے سرفراز کیا اور ایک ہزار روپیہ انعام دیا۔ اور ان ہی کے ہمراہ علی مردان خاں کو خلعت اور ہاتھی دانت کی بنی ہوئی پالکی بھیج کر طلب کیا۔ علی مردان خاں آئے تو ان پر مزید مرحمتِ شاہی مبدول ہوئی اور ان کو کشمیر کا صوبہ دار بنا دیا۔ خاندان قلی خاں نے عمر بھر علی مردان خاں کی خدمت میں رہ کر اپنی خدماتِ شائستہ سے حقِ رفاقت ادا کیا۔

خاندان قلی خاں کے انتقال کے بعد علی مردان خاں نے ان کے فرزند درگاہ قلی خاں (اول) کو بادشاہ سے سفارش کر کے منصب اور جاگیر دلائی اور اپنے پاس میرِ سامان کے عہدے پر رکھ لیا۔ علی مردان خاں شاہزادہ اورنگ زیب کے منصبدار کی حیثیت سے دکن گئے تو درگاہ قلی خاں نے ان کے ہمراہ تھے۔ ہندوستان واپس آکر انتقال کیا۔ درگاہ قلی خاں (اول) کے بیٹے نوروز قلی خاں کو 'دارواز' علاقہ بیجاپور کی قلعہ داری عطا ہوئی۔ وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے فرزند خاندان قلی خاں (دوم) بھی جاگیردار تھے اور اورنگ زیب کے علاقے میں منصب دار بھی تھے۔ شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں سنگمیر کی وقائع نگاری اور قرب و جوار کی فوجداری پر سرفراز تھے۔ نواب آصف جاہ غفران پناہ کے عہد میں بھی سرکاری خدمات پر مامور رہے۔ درگاہ ان ہی نامور باپ (خاندان قلی خاں) کے نامور فرزند تھے۔ چودہ سال ہی کے تھے کہ نواب آصف جاہ نے انہیں منصب و جاگیر عطا فرمائی۔ بیس سال کے ہوئے تو نواب نے ازراہ پرورش ان کو اپنے ہم رکاب رکھا اور شاہی عنایتیں مبدول رہیں۔ ان کی فن سپہگری و جاں بازی کے جوہر نادر شاہ کے ہنگامے میں ظاہر ہوئے۔

آصف جاہ کے بعد نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید (سنہ ۱۱۶۱ تا سنہ ۱۱۶۴ ہجری) کے عہد میں بھی ترقیات سے وقتاً بوقتاً سرفراز ہوتے رہے۔ نواب امیر الممالک صلابت جنگ (سنہ ۱۱۶۴ تا سنہ ۱۱۷۵ ہجری) نے منصب شش ہزاری اور خطاب مؤتمن الدولہ سے سرفراز فرما کر صوبہ دار مقرر کر دیا۔ نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی (سنہ ۱۱۷۵ تا سنہ ۱۲۱۰ ہجری) مسند آرا ہوئے تو انہیں منصب ہفت ہزاری، ماہی مراتب اور خطاب مؤتمن الملک عطا فرمایا، اور پھر خان دوراں خاں خطاب دیا۔ مگر سنہ ۱۱۷۹ ہجری میں ان کو اورنگ آباد کی صوبہ داری سے معزول کر دیا۔ اب درگاہ قلی خاں اپنی جاگیر نظام آباد میں آ بیٹھے۔ درگاہ بڑے حاضر جواب اور بذلہ سنج تھے۔ ہر مہینے اپنے باغ موسومہ 'دل کشا' میں دو تین جلسے منعقد کیا کرتے تھے۔ جس میں ذی علم حضرات مدعو ہوتے تھے۔ خوش طبع، خلیق، انصاف پسند، قتیاض اور شجاع تھے۔ رعایا پروری اور غربا نوازی کو آپ پر ناز تھا۔ علم دوست اور عالموں کے قدر دان تھے۔ انشا پرداز تھے اور علم تاریخ پر عبور رکھتے تھے۔ خود شاعر تھے اور شعرا کے قدر افزا۔

من اشعارہ :-

نگاہش دیدہ صہبا آفریدند
قدش دیدند و طوبی آفریدند *
بعالم ریخت رشکم رنگت طوفان
ز جیب قطره دریا آفریدند *
معاشرانہ سوالے ز دوستان دارم
برلے ما و شما این ہوا چہ می خواہد *
سوالے حیدر گزار شاہ مردان کیست
کہ ذوالفقار بہ او داد حق، نبی دختر *

شوک محض است گمان من و تو
من و تو نیست میان من و تو *

صوبہ داری پھر بحال ہونے کو تھی کہ موت کا پیغام آ پہنچا۔ نظام آباد سے لاش اورنگ آباد لائی گئی اور باب کے مقبرے میں دفن کی گئی۔
'خدایش بیا مرزاد' تاریخِ رحلت ہے۔

۸۰ھ ۱۱

معز

معز تخلص - مرزا معز الدین نام - فرزند مرزا حسن - عباس آباد علاقہ اصفہان وطن - سال ولادت معلوم نہوسکا۔

ان کے اجداد شاہانِ صفویہ کے دور میں اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے اور دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ ان کے والد عالم مقبجر اور صاحبِ تصنیف و تالیف تھے۔ باپ کے انتقال کے وقت معز کا سن چھ برس کا تھا۔ بڑے ہوئے تو ابو سعید اصفہانی کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا اور ان سے علوم نقلی و عقلی حاصل کئے۔ پھر اخوند شفیعیائی کے خانِ تعلیم سے بہرہ اندوز ہو کر میدانِ شاعری میں قدم رکھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد نادر شاہ کے بھتیجے ابراہیم شاہ کے ملازم ہوئے۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کے مزاج پر ایسے حاوی ہوئے کہ ہر کام ان ہی کے مشورے سے ہونے لگا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے عہدہ داروں کا عزل و نصب بھی ان ہی کے اشاروں پر ہوتا تھا۔ جب ابراہیم شاہ کی سلطنت کا خاتمہ ہوا تو معز اصفہان سے شیراز چلے آئے۔ سیاحت کے بیحد شائق تھے۔ اس لئے وہاں سے نکل کر بہت سے ملکوں کو دیکھتے ہوئے آخر سورت (ہند) پہنچے اور وہاں سے اورنگ آباد ہوتے ہوئے حیدر آباد آ گئے۔ یہاں نواب صمصام الدولہ شہنواز خان نے، جو نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید (سنہ ۱۱۶۱ تا سنہ ۱۱۶۴ھ) کے دیوان تھے، ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بہت قدر افزائی کی۔ معز نواب کی خوش اخلاقی اور قدر دانی کے ایسے مستخر ہوئے کہ حیدر آباد ہی کے ہو رہے۔ جب نواب شہید ہوئے تو اورنگ آباد میں مقولگانہ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے۔ بڑے خوش فکر آدمی تھے۔

نمونہ کلام یہ ہے :-

در خیال تو چو از خوابِ گراں بر خیزم
ہمچو آئینہ سراپا نگراں بر خیزم *
چشم از نسیم دارم شاید بہ روز گارے
آرد بدیدہ من از کوی او غبارے *

رباعی

یا راہ بکوی وصل محبوبم دہ
یا بیزاری ز صورتِ خورم دہ *
یا این دلِ نا صبور از من بستان
یا در غمِ ہجر صبرِ ایوبم دہ *

والہ

والہ تخلص - سید محمد موسوی نام - فرزند ملا سید محمد باقر موسوی - خراسان مولد - سال ولادت معلوم نہو سکا - اپنے فاضل باپ سے تمام علوم معقول و منقول پڑھے - فنِ شعر میں بھی اپنے والد ہی سے اصلاح لی - باپ کے انتقال کے بعد ہندوستان پہنچے - کچھ دنوں بعد حیدر آباد آئے اور شاہی منصبدار ہو گئے - برسوں جاہ و ثروت سے ہم کنار رہے - حیدر آباد ہی میں شادی کر لی - اسی وجہ سے بعض تذکرہ نویسوں نے حیدر آباد کو ان کا وطن لکھ دیا - مگر یہ بالکل غلط ہے - فی الحقیقت وہ خراسان کے رہنے والے تھے - نواب غلام محمد غوث خاں بہادر نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۴۱ تا سنہ ۱۲۷۲ ہجری) نے اپنے ”تذکرۃ گلزار اعظم“ میں تحریر فرمایا ہے کہ ”ظاہر ہو کہ صبحِ وطن اعظم (یہ تذکرہ بھی نواب موصوف نے تذکرۃ گلزار اعظم سے پہلے لکھا تھا) میں فرخندہ بنیاد حیدر آباد کو والہ کا وطن لکھا ہے - یہ غلطی ’گلدستہ کرناٹک‘ کی پیروی سے ہوئی ہے“ -

ازدواجی تعلق کی وجہ سے والہ نے حیدر آباد ہی کو اپنا وطن بنالیا - ایک مدت بعد نثر نگر (ترچناپی) چلے آئے - کششِ آب و دانہ اور موت نے یہاں سے نہ نکلنے دیا -

اعلیٰ درجے کے شاعر تھے - ہر قسم کی نظم لکھنے پر قدرت رکھتے تھے -
عروض و قافیہ میں ایک رسالہ اور فنِ انشا میں ایک کتاب لکھی ھے
'اور قانوچہ' اس کا نام رکھا -

من اشعاره :-

روغن کشیدنم ز دو بادام چشم تر
نفی نکرد خشکی سودایِ خال را *
ز داغِ عشق تو تا گشت شاخِ گل دستم
نمود کوچہ باغ است آستینِ مرا *
مبادا تیرِ نازش جانبِ دیگر نشان جوید
نگہ دزدیدنِ چشمش ہراساں می کند مارا *
ہر کہ ضبطِ نفس کند چو صدف
عقدہائے دلش گہر گردد *
لالہ خونیں دل و گل زخمی و نرگس بیمار
در چمن دل بہ چہ تقریب شود وا بے تو *
غمزہ بیباک و نگہ مست و تبسم لبریز
شوخ جادو فنِ من ! طرفہ بہ ساز آمدہ *
قلم ای قاصد از شوقش رقم سازد چساں حرفے
کہ دل حرفے نویساند، نگہ حرفے، زباں حرفے *
ز بس از خویش رفتم در خیالِ نرگس مستش
مرا ہشیاریم خوابِ فراموش است پنداری *

سنہ ۱۱۸۴ ہجری میں بمقامِ ترجنالی رحلت کی اور یہیں

دفن ہوئے -

فصل دوم

وہ فارسی گو شعراء ہندوستان جو شمالی ہند سے دکن میں آئے۔

علی

علی تخلص - ناصر علی نام - فرزند رجب علی پنجابی -
سر ہند وطن - جو اس وقت ریاست پٹیالہ کے علاقے میں ہے - سال
ولادت سنہ ۱۰۴۸ ہجری -

کم سنی ہی میں دہلی چلے گئے - وہیں تعلیم پائی - پہلے
سیف خان حاکم سر ہند کی ملازمت کی - سیف خان کو حضرت
عالمگیر بادشاہ نے الہ آباد میں صوبہ دار بنا کر بھیجا تو علی بھی ان کے
ساتھ الہ آباد گئے - سیف خان نے انتقال کیا تو سر ہند واپس چلے آئے -

ایک دفعہ ماہ صفر کے آخری چہارشنبہ کو ناصر علی باغ کی
سیر کے لئے گئے ، وقت آچھا تھا ، شیشہ و پیالہ سامنے تھا اور ناصر علی
مست تھے - اتفاقاً شیعہ محمد معصوم خلف حضرت مسجد الف ثانی
رحمہ اللہ بھی اسی باغ میں تشریف لائے - ناصر علی کو اس حالت
میں دیکھ کر غصے سے دریافت فرمایا ”یہ کیا ہے؟“ ناصر علی نے
جواب دیا ”شراب“ مگر وہ شراب جس کو فرشتے پیتے ہیں -
شیعہ تو چلے آئے ، مگر علما نے ناصر علی کی تکفیر کے ساتھ قتل کا
فتویٰ لکھ دیا - ان کے بھی ددگار بہت تھے ، چنانچہ میر محمد
زمان خان راسخ اور ان کے رشتہ داروں نے مسلم ہو کر ناصر علی کو اپنے

۱ - سیف خان شاہ جہان کے تیسرے بیٹے تھے - سنہ ۱۰۷۹ ہجری میں بہمد دولت
اورنگ زیب کشمیر کے صوبہ دار مقرر ہوئے - چند روز بعد مستعفی ہو کر گوشہ نشین رہے -
آخر دوستوں کے اصرار پر گوشہ نشینی کو ترک کیا - سنہ ۱۰۸۶ ہجری میں پھر منصب
و خطاب بحال ہوا اور الہ آباد کے ناظم مقرر ہوئے - وہیں سنہ ۱۰۹۵ ہجری میں وفات
پائی -

ساتھ لیا اور دہلی پہنچ کر اُن کی جان بچائی۔ علی آخر میں حضرت شیخ کے بڑے معتقد ہو گئے تھے اور اپنی مثنوی میں اُن کو اپنا مرشد تسلیم کیا ہے۔ غرض سیف خاں کے انتقال کے بعد علی سرہند سے بیجاپور پہنچے۔ سنہ ۱۱۰۰ ہجری میں حضرت عالمگیر کا لشکر بیجاپور کی طرف روانہ ہوا۔ ناصر علی نواب ذوالفقار خاں بن اسد خاں وزیر سے ملے۔ اسی موقع کے لئے آزاد بلگرامی نے کہا ہے :-

بعد سیف آخر علی را ذوالفقار آمد بکار
لافتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار *

ناصر علی نواب ذوالفقار خاں سے ملے تو قصیدہ مدحیہ پیش کیا۔ اُس کا مطلع یہ ہے :-

ای شانِ حیدری ز جبین تو آشکار
نام تو در نبرد کند کارِ ذوالفقار *

مطلع سنتے ہی نواب نے کہا کہ بس کرو! مجھے پورا قصیدہ سننے اور اُس کا صلہ دینے کی ہمت نہیں ہے۔ مطلع کے صلے میں ایک ہاتھی اور تیس ہزار روپیہ اور بقول دیگر ایک ہاتھی اور پانچ ہزار روپیہ عطا فرمایا۔ ناصر علی نے اِس عطیے کو لوگوں میں تقسیم کر دیا اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔

سنہ ۱۱۰۳ ہجری میں نواب ذوالفقار خاں کرناٹک کی تسخیر کے لئے روانہ ہوئے تو ناصر علی بھی ہمراہ رکاب آئے۔ یہاں حضرت شاہ حمید الدین قدس سرہ سے دلی عقیدت رکھتے تھے۔ یہاں سے دہلی لوٹے تو حضرت شیخ محمد معصوم رحمہ اللہ کے ہاتھ پر طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی اور بقیۃ العمر متوکلانہ زندگی بسر کی، کبھی کسی کے سامنے التجا نہیں لے گئے۔

۱۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ جنوبی ہند کے مشہور اولیائے کرام میں سے ہیں۔ آپ کا مزار مبارک کنچی میں زیارت گاہِ خلیق ہے۔

شاعری میں ناصر علی کا رتبہ بہت بلند تھا۔ غزل خوب کہتے تھے۔
مثنوی میں بھی کمال تھا۔ اہل بغداد شریف سماع کی محفلوں میں
ان کی مثنوی کے اشعار پڑھا کرتے تھے۔

من اشعاره :-

نیست غیر از عشق دل سوزے من افسردہ را
شعلہ جنبش می دہد نبض چراغِ مردہ را *
از آبلہ ہائے دل فریاد پرستان
یک آبلہ در کام زبان است جرس را *
لبریز شد ز تنگی دل بسکہ سینہ ام
چون رشتہ ہای شمع یکے گشت نالہا *
رواج بے ہنری جز بہند جائے نیست
کہ این مقام دریں سرزمین بود کیاب *
از بسکہ سنگت تفرقہا در سراغِ ماست
چون شیشہ شکستہ فروغِ چراغِ ماست *
جاں میدہیم و درد جگر سوز می خریم
چون رشتہ فقیلہ نفس صرف داغِ ماست *
زخمی شوق تو کے ممنون قاتل می شود
ہمچو ماہی می طپد چندانکہ بسمل می شود *
امتیازِ شہر و صحرا داشت از نقصِ جنوں
ورنہ معجنوں را خرابی ہلے خود ویرانہ بود *
سیر از جہاں شدم بہ گداز فلے خویش
چون اشتہاے سوختہ گشتم غذای خویش *
نمی گنجید بہ خلوت خانہ دل آفتاب من
بروں از شیشہ چون آید گہر باشد شراب من *
مراد از ذکر معشوق است ترکِ ما سوا کردن
چو دل بر گردد از دنیا چہ حاجت سبجہ گردانی *

ناصر علی نے سنہ ۱۱۰۸ ہجری میں ساٹھ سال کی عمر پا کر بمقام دہلی انتقال کیا۔ حضرت سلطان المشایخ خواجہ نظام الدین اولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خانقاہ شریف میں دفن ہوئے۔

آزاد

آزاد تخلص - میر غلام علی نام - میر نوح کے فرزند - قصبہ بلگرام واقع صوبہ اودھ وطن - سنہ ۱۱۱۶ ہجری سال ولادت - آپ کا سلسلہ نسب حضرت فخر الساجدین امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ بلحاظ مذهب حنفی اور بلحاظ طریقت چشتی تھے۔

درسی کتابیں میر طفیل محمد سے پڑھیں، چنانچہ کہتے ہیں:-
شاگرد خاص میر طفیل محمد * او در علوم عقلی و نقلی است رہبرم
اپنے نانا علامہ میر عبد الجلیل بلگرامی سے لغت، حدیث، سیر نبوی اور فن ادب حاصل کیا۔ اپنے ایک شعر میں اس طرف بھی اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں:-

آزاد ما کہ فضل و کمالے بہم رساند * خدمت نمود حضرت عبد الجلیل را
اپنے ماموں میر سید محمد سے عروض و قوافی اور علم ادب میں مستفیض ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ بڑے ذہین تھے۔ قوت حافظہ نہایت قوی تھی۔ جو بات ایک مرتبہ سن لیتے کبھی نہیں بھولتے تھے۔

سنہ ۱۱۳۰ ہجری میں حضرت زبدۃ السالکین سید لطف اللہ بلگرامی قدس سرہ العزیز سے طریقہ چشتیہ میں بیعت کی۔ اسی سال اپنے نانا کی ملاقات کے لئے، جو شاہ جہاں آباد میں مقیم تھے، بلگرام سے دہلی گئے، دو سال وہاں قیام رہا، اس اثنا میں آپ کے خوان علم سے بہرہ اندوز ہوئے۔ پھر وطن کی طرف مراجعت کی۔

آپ کے ماموں میر سید محمد مرصوف الذکر سیوستان واقع ملک سندھ میں میر بخشی اور وقائع نگاری کی خدمت پر مامور تھے۔

آزاد ان سے ملنے کے لئے وہاں گئے۔ جب وہ رخصت لیکر بلگرام گئے تو آزاد نے نیابت چار سال دونوں خدمتیں بہ خوبی انجام دیں۔ جب میر صاحب واپس آئے تو آزاد کو بلگرام جانے کی اجازت دی۔ یہ سنہ ۱۱۴۷ھ کا واقعہ ہے۔ اٹلہ راہ میں شاہ جہاں آباد پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کے والد ماجد مع اہل و عیال الہ آباد تشریف لے گئے ہیں۔ آپ نے الہ آباد کا قصد کیا اور تین سال والد کی خدمت میں رہے۔ سنہ ۱۱۵۰ھ میں بیت اللہ شریف روانہ ہوئے۔

اپنی سفر کی کسی کو اطلاع نہیں دی، یہاں تک کہ آپ کے عزیزوں کو بھی تین دن کے بعد روانگی کی خبر معلوم ہوئی۔ ملک مالوہ تک پیادہ پا گئے۔ اتفاقاً نواب آصف جاہ (سنہ ۱۱۱۳ تا سنہ ۱۱۶۱ ہجری) کا لشکر اسی ملک میں خیمہ افگن تھا اور نواب بہ نفس نفیس وہیں تشریف فرما تھے۔ قسمت کی یاوری سے آزاد کی بارہابی ہوگئی۔ آپ نے یہ رباعی پیش کی :-

ای حامی این محیط جود و احسان
حق داد ترا خطاب آصف شایاں *

او تخت بدرگاہ سلیمان آورد
تو آل نبی را بہ در کعبہ رساں *

نواب نے ازراہ غربا نوازی سفر خرچ مرحمت فرمایا۔ زاد راہ سے مطمئن ہوکر حرمین شریفین روانہ ہوئے۔ ’سفر خیر‘ اس سفر کی تاریخ ہے۔ ۱۱۵۰ ہجری

مکہ معظمہ میں شیخ عبد الوہاب طنطاوی سے حدیث پڑھی۔ مدینہ منورہ میں شیخ محمد حیات سندھی سے صحیح بخاری اور باقی صحاح کی سند پائی۔

حج زیارت سے مشرف ہوکر سنہ ۱۱۵۲ ہجری میں دکن کا رخ کیا اور اورنگ آباد پہنچکر شاہ مسافر رحمہ اللہ کے تکیے میں گوشہ نشینی اختیار کی۔

سنہ ۱۱۵۸ ہجری میں نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید والی حیدر آباد (سنہ ۱۱۶۱ تا سنہ ۱۱۶۴ ہجری) اپنے والد نواب آصفجاہ کی طرف سے اورنگ آباد کی صوبہ داری پر مامور ہوئے تو آزاد کو بھی طلب فرمایا، اُن سے تپاک سے ملے، عزت افزائی کی اور مدتِ العمر اپنا مقرب بنائے رہے۔ اپنے اشعار کی بھی اُن ہی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ نواب کے ساتھ کرناٹک دیکھا اور ارکات بھی ہمراہ رکاب گئے۔ یہیں سنہ ۱۱۶۴ ہجری میں نواب کی شہادت ہوئی۔ اس واقعے کے بعد آزاد اورنگ آباد گئے اور شاہ مسافر قدس سرہ العزیز کے تکیے میں مقیم ہوئے۔

سنہ ۱۱۶۷ ہجری میں نواب امیر الممالک صلابت جنگ والی حیدر آباد (سنہ ۱۱۶۴ تا سنہ ۱۱۷۵ ہجری) نے نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خاں کو خدمتِ وکالت سے سرفراز کر کے حیدر آباد بلایا تو نواب صمصام الدولہ نے آزاد کو بڑی تمنا کے ساتھ طلب کیا۔ آپ حیدر آباد پہنچے۔ نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی (سنہ ۱۱۷۵ تا سنہ ۱۲۱۸ ہجری) نے آپ کی قدر افزائی کی۔ سنہ ۱۱۷۸ ہجری میں آپ پھر اورنگ آباد چلے آئے اور وہیں شاہ مسافر رحمہ اللہ تعالیٰ کے تکیے میں ایسے فروکش ہوئے کہ نا حیات وہیں رہے۔

آفت زدوں کی ہمدردی، امداد اور احتیاج مندوں کی حاجت روائی آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھی۔ جس زمانے میں نواب شہید کے مقرب تھے تو سیکڑوں اہل غرض کو اپنی کوشش اور سفارش سے فائز المرام کیا۔

عربی اور فارسی کے تمام علوم میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ تاریخ گوئی میں خاص مہارت تھی۔ بڑے اعلیٰ پائے کے شاعر تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ اُن میں سے چند کے نام یہ ہیں :-

- (۱) تذکرۂ خزائنہ عامرہ (۲) یدِ بیضا (۳) تذکرۂ سرو آزاد
- (۴) غزلانِ ہند (۵) شرح صحیح بخاری تا کتاب الزکوۃ (۶) شمامۃ الہند فی

ذکر الہند (۷) سند السعادات فی حسن خاتمة السادات (۸) روضة الاولیاء
 خلد آباد (۹) مآثر الکرام (۱۰) سبعة المرجان فی آثار ہندوستان
 (۱۱) دیوان عربی (۱۲) دیوان فارسی -

آپ کے عربی نعتیہ قصائد، فصاحت و بلاغت کے نمونہ تھے۔
 اہل عرب ان اشعار کو سن کر سر دھنتے اور تعجب کرتے تھے کہ ایک
 ہندی الوطن اور ایسا فصیح و بلیغ!

من اشعارہ :-

الہی نالۂ گرمے دل دیوانۂ مارا
 کرامت کن نہال آتشینے دانۂ مارا *
 با سومتہ سروکار ندارد بصر ما
 خاک قدم یار بود در نظر ما *
 ہرز از دامن صحرائی صحنوں عشق می خیزد
 کہ ہنگام گزر افتادن ما دل طہید آنجا *
 دریں خرابہ نشستم زر ہرواں تنہا
 کہ وا گزاشت مرا پیر کارواں تنہا *
 اگر چہ خاک شدم اضطراب من باقی است
 کہ پیچ و تاب رسن بعد سوختن باقی است *
 زدہ ام بر سر جہاں پا پوش
 بے سبب این برہنہ پاگی نیست *
 مانی نازک قلم نقشے ز چشم مست بست
 چوں نظر افکند بر محراب ابرو دست بست *
 بلبل سوختہ را نیست نشانے پیدا
 ابن قدر هست کہ دود از قفسے می آید *
 روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامۂ
 من نیز حاضر می شوم تصویر جانان در بغل *

چو سایہ در قدم سرو سرفراز توام

مرید سلسلۂ کیسوی دراز توام *

میسر گر شود آزاد! این مطلب چہ خوش باشد

دہے با گل نشستن در بروی باغبان بستن *

رباعی

ہر چند نہ برگے نہ نواے دارم * در زاویۂ خمول جاے دارم
اما ز محبت رسول الثقلین * در سینہ بہشت دل کشاے دارم

رباعی

کس را خبرے نیست چہ آید فردا * نیرنگی قدرت چہ نماید فردا
نومید مشو ز مژدۂ عالم غیب * شب حاملہ است تا چہ زاید فردا
آزاد نے سنہ ۱۱۹۵ ہجری میں روضۂ خلد آباد میں حضرت
شاہ پربان الدین غریب قدس سرہ العزیز کے مزار شریف کے قریب ایک قطعہ
زمین خرید کر اُسکا نام ’عاقبت خانہ‘ رکھا اور وہاں اپنے لئے ایک قبر بنوائی۔
جب یہ سب ہو چکا تو ایک بڑی ضیافت کی اور اس میں مشایخ
و شعراء و امراء کو مدعو کیا۔ انواع و اقسام کے کھانے دسترخوان پر رکھے۔
کھانے سے فارغ ہو کر ہر ایک سے نہایت تپاک کے ساتھ مصافحہ کیا اور
کہا کہ ”یہ وداعی ضیافت تھی۔ ہذا فراق بینی و بینک“ اس کے بعد
بالکل زاویۂ خمول میں بیٹھ گئے اور پانچ سال بعد سنہ ۱۲۰۰ ہجری
میں اس دارِ فانی سے ملک جاودانی کا سفر کیا۔ کسی شاعر نے
تاریخِ رحلت کہی :-

آہ غلام علی آزاد

سنہ ۱۲۰۰ ہجری

واضح

واضح تخلص - مرزا مبارک اللہ خاں نام - میر اسحاق بن
میر محمد باقر المخاطب بہ ارادت خاں کے فرزند - وطن اور سالِ ولادت
معلوم نہیں -

ان کے دادا ارادت خاں ساوہ کے مشہور شریفوں میں سے تھے -
 مرزا جعفر آصف خاں کی دختر سے ان کا عقد ہوا - جہانگیر بادشاہ
 (سنہ ۱۰۱۴ تا سنہ ۱۰۳۶ ہجری) کے عہد میں بخشی کے عہدے پر
 سرفراز ہوئے - شاہ جہاں (سنہ ۱۰۳۶ تا سنہ ۱۰۷۲ ہجری) کے
 زمانے میں منصب وزارت پر فائز ہوئے - عرصہ قلیل میں دکن کی
 صوبہ داری اور اعظم خاں کا خطاب پایا - بارہا یکے بعد دیگرے گجرات ،
 بنگالہ ، کشمیر اور الہ آباد کی صوبہ داری پر سرفراز ہوتے رہے - آخر
 شاہ جہاں نے اختیار دیدیا کہ جس صوبے کو انتخاب کرو وہاں کی
 حکومت لے لو - انہوں نے جونپور کی فوجداری مانگ لی اور اُسی کو
 اپنا وطن بنالیا -

واضح کے والد میر اسحاق کو عالمگیر بادشاہ نے ارادت خاں کا
 خطاب دے کر جاکنہ کی فوجداری مرحمت فرمائی - پھر اورنگ آباد
 اور گلبرگہ شریف کی قلعہ داری پر متعین کئے گئے - شاہ عالم بہادر شاہ
 کے زمانے میں منصب چار ہزاری عطا ہوا -

واضح اچھے شاعر تھے اور فی شعر میں راسخ سے تلمذ رکھتے تھے -
 من اشعار :-

موجم و وحشت کند محروم از ساحل مرا
 در طپیدن رفت از کف دامن قاتل مرا *
 بہ جیب صبح ز خورشید گل فشانی ہاست
 بہ جام پیری ما بادۂ جوانی ہاست *
 واضح بہ ہیچ راہ دلم را نمی شود
 این قفل زنگ بست شکستن کلید اوست *
 خیال روی او دل راز پا مستانہ اندازد
 نسیم گل شرر در خرمن دیوانہ اندازد *
 پریشانی یک دل می برد جمعیت عالم
 شکست شیشہ ما سنگ در میخانہ اندازد *

سنہ ۱۱۳۸ ہجری میں بمقام جونپور اس دار فانی سے چل بسے -

نصرت

نصرت تخلص - میر محمد نعیم خاں نام دلاور خاں خطاب -
فرزند میر محمد عبد العزیز - مولد سیالکوٹ - سال ولادت معلوم نہیں -

ان کا عقد امرائے عالم گیری میں سے ایک امیر عنایت اللہ خاں
کشمیری کی دختر سے ہوا تھا - نصرت کے والد شہ-ہزادہ دارا شکوہ فرزند
اکبر و ولی عہد شاہ جہاں کے ملازم تھے - دارا شکوہ کے ادبار کا زمانہ آیا
اور اورنگ زیب کے اقبال کا ستارہ چمکا تو یہ بھی ملازمین عالمگیری
میں داخل ہو گئے - رفتہ رفتہ منصب دو ہزاری اور دلاور خاں کے خطاب سے
سرفراز ہوئے -

باپ کے انتقال کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں نصرت کو
بھی خطاب دلاور خاں مرحمت ہوا - قرخ سیر کے شروع زمانے میں
نواب آصف جاہ دکن کے صوبہ دار کئے گئے تو نصرت بھی ان کے ہم رکاب
دکن میں آ گئے - جب امیر الامراہ ستید حسین علی خاں کو دکن کی
صوبہ داری ملی تو انہوں نے نصرت کو رائیچور کا فوجدار بنایا - نواب
آصف جاہ دکن کے مستقل حاکم ہو گئے تو نصرت ان کے مقرب بن گئے -
نصرت اچھے شاعر تھے - اشعار میں شستگی و فصاحت ہوتی تھی -
نمونۂ کلام یہ ہے :-

جوش دردش کرد فارغ از غم دنیا مرا
دل تلپیدن برد تا ساحل ازیں دریا مرا *
فکر زاہد پیئے راحت غم ما بہر رخس
ہر کسے در خور ہمت بتلاش است این جا *
چشم پوشیدہ توان کرد سفر
چہ قدر راہ فنا ہموار است *
بیاغ دہر دلیل قبول بے ہنری است
کہ سر بلند ی سر و سہی ز بے ثمری است *

بہ محفلے کہ بہ یک درد سر دوا بخشند
 چہ می شود دل مارا اگر بما بخشند *
 شیشہ ساعیت بود آئینہ دنیا و دیں
 گر یکے آباد گردد دیگرے ویران شود *

آصف

آصف تخلص - میر قمر الدین خاں نام - آصف جاہ - نظام الملک -
 خان دوران خاں بہادر - فتح جنگ خطاب - غازی الدین خاں فیروز جنگ
 کے فرزند ہیں - سنہ ۱۰۸۲ ہجری میں ہندوستان میں پیدا ہوئے -
 'نیک بخت' تاریخ ولادت ہے - اجداد کا وطن ملک سمرقند تھا -
 ۱۰۸۲

آپ کے دادا عابد خاں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی
 قدس سرہ کی اولاد و احفاد میں سے تھے - نواب سعد اللہ خاں مشہور
 وزیر شاہ جہاں آپ کے نانا تھے -

آپ کی تعلیم اکابر علماء و فضلاء دہر کے زیر نگرانی ہوئی - علوم
 معقول و منقول میں مہارت کاملہ رکھتے تھے - عربی فارسی ترکی اور ہندی
 میں استعداد تامہ و نظر بالغہ رکھتے تھے -

آپ کے دادا عابد خاں شاہ جہاں کے عہد میں سمرقند سے
 ہندوستان آئے - بادشاہ کی ملازمت اور شاہزادہ اورنگ زیب کی
 مصاحبت کا شرف پایا - جب اورنگ زیب عالمگیر ہوکر سریر آراء
 سلطنت ہند ہوئے تو عابد خاں کو بڑا منصب ملا اور 'صدارت کل'
 کی اعلیٰ خدمت عطا فرمائی گئی اور چین قلیچ خاں کا خطاب بھی
 مرحمت ہوا - چین قلیچ خاں کی وفات کے بعد آپ کے فرزند شہاب الدین
 کو 'غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ' کا خطاب اور عمدہ منصب
 و خدمت دی گئی - اور اس کے ساتھ ہی 'فرزند ارجمند' کا خطاب
 بھی ایزاں ہوا - شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں گجرات کی صوبہ داری
 پر متعین ہوئے اور وہیں ملک بقا کی راہ لی -

جناب آصف آپ ہی کے فرزند ہیں۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ کو دادا کا خطاب اور منصب چار ہزاری عطا ہوا۔ شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد دولت میں اودہ کی صوبہ داری اور لکھنؤ کی فوجداری سے سرفراز ہوئے اور 'خان دوران خاں بہادر' خطاب بھی مرحمت ہوا۔ مگر جیسا کہ سب کو معلوم ہے یہ زمانہ بہت ہی پر آشوب تھا۔ عالم گیر بادشاہ کی اولاد میں جدال و قتال کا بازار گرم تھا۔ ہر ایک دعویٰ دار سلطنت ہو رہا تھا۔ جناب آصف جاہ نے دور اندیشی کر کے اسی میں مصلحت و عافیت دیکھی کہ آپ ان خرخوشوں سے دور ہو کر شاہ جہاں آباد میں خانہ نشین ہو بیٹھے۔ مگر آپ کی ذات گرامی ایسی تھی کہ چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا اور شاہ عالم کی وفات کے بعد معز الدین جہاں دار شاہ نے آپ کو اپنے پرانے خطاب سے کہینچ بلایا۔ فرخ سیر نے آپ کے خطابات عالیہ پر 'نظام الملک بہادر فتح جنگ' کا اضافہ فرمایا اور ہفت ہزاری بنا کر دکن کی صوبہ داری بحال کر دی۔ چند روز کے بعد دکن امیر الامراء حسین علی خاں کے سپرد ہوا تو آصف جاہ دارالخلافہ میں واپس تشریف لے آئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد مراد آباد اور پھر مالوہ کی صوبہ داری پر سرفراز ہوئے۔

ہندوستان کے لئے یہ زمانہ نہایت نازک تھا۔ سلطنت ڈانوا دول تھی، اراکین دولت میں سے جو نمک حلال تھے اس حالت سے سخت مخدوش تھے۔ تخت کے گرد خود مطلوبوں اور نمک حراموں کا نرغہ تھا۔ بالخصوص آصف جاہ بہادر سے سخت مخالفت تھی اور اعیان دولت مفاقت سے پیش آتے تھے۔ ناچار آپ ملک دکن کو اپنے قبضے میں لانے کے ارادے سے روانہ ہو گئے۔ مگر سنہ ۱۱۴۳ ہجری میں آپ کو دارالسلطنت دہلی میں واپس بلایا گیا۔ یہ محمد شاہ رنگیلے کا زمانہ تھا۔ بادشاہ نے آپ کو خلعت و قلمدان وزارت پیش کیا۔ ان ہی دنوں معزالدولہ حیدر قلی خاں اسفراہینی ناظم گجرات نے علم بغاوت بلند کیا۔ محمد شاہ نے پریشان ہو کر گجرات اور مالوہ کی وزارت اور امارت دکن آپ ہی کو دیدی اور حیدر قلی خاں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔

امراء دار السلطنت حسد کی آگ سے بھڑک اٹھے۔ انہوں نے بادشاہ کو آپ کی طرف سے بدظن کر دیا۔ بے عقل بادشاہ نے دکن کی صوبہ داری سے آپ کو معزول کر کے وہ صوبہ مبارز خاں ناظم حیدر آباد کے سپرد کر دیا۔ اس سے آپ کا دل ٹوٹ گیا اور دہلی آ گئے۔ آپ نے دہلی کی آب و ہوا کی ناساز گاری کا بہانہ کر کے مراد آباد جانے کی اجازت مانگی۔ امراء سلطنت تو آپ کو دہلی میں دیکھنا ہی نہ چاہتے تھے۔ اجازت مل گئی۔ فوراً آپ روانہ ہو گئے اور بجائے مراد آباد کے دکن کا رخ کیا۔

دکن پہنچے تو مبارز خاں نے آپ کو روکا۔ آخر ۳ محرم سنہ ۱۱۳۷ ہجری کو بمقام شکر کھیڑا واقع برار اقبال وادبار کا مقابلہ ہوا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ مبارز خاں اور اس کے دو فرزند اسور خاں اور مسعود خاں مارے گئے اور جناب آصف جاہ بہادر اس تمام ملک پر (جس کی سرحد نربدا سے بیجاپور تک اور حیدر آباد سے دریائے شور تک تھی) قابض و متصرف ہو گئے۔

محمد شاہ نے یہ دیکھ کر آپ کی دلجوئی کی اور سنہ ۱۱۳۸ ہجری میں خطاب آصف جاہ اپنی طرف سے عطا فرمایا۔

غرض آپ خسروان دکن کے اجداد امجاد میں سے ہیں اور سلطان العلوم اعلیٰ حضرت قوی شہ وکت ہزاکرا لثقہ ہاینس نواب سر میر عثمان علی خاں بہادر جی - سی - یس - ائی فرمان فرمائے حال آپ ہی کی اولاد ہیں - خلد اللہ تعالیٰ ملکہ و شوکتہ و سلطنتہ -

جناب آصف کو مدت العمر خلائی کی بہبود اور رعایا و برایا کی عافیت و راحت کا خیال رہا۔ عرب و عجم و ہندوستان کے ہزاروں حاجت مند آپ کے چشمہ فیض کے زلہ رہا تھے۔ آپ کے عدل و انصاف اور خیر گیری رعایا کا ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ ظلم و ظالم کا نام قریباً مٹ ہی گیا تھا۔

فن شاعری میں آپ جناب مرزا عبدالقادر بیدل سے اصلاح لیتے تھے۔ پہلے شاکر تخلص کرتے تھے پھر آصف۔ آپ کے دو ضخیم فارسی دیوان ہیں، جو مطبع سرکار آصفیہ میں طبع ہو چکے ہیں۔ آپ کا کلام ذیل میں درج ہے :-

تا مقابل کرد با خود حسن یار آئینہ را
آمد آب تازه بر روی کار آئینہ را *
می کنم روی طلب هر جا که می خوانی مرا
مائلم همچون ورق هر سو که گردانی مرا *
مژگان سرمه دار تو چون تیغ بر کشد
گر سر رود بلند نه گردد صدای ما *
در خیابان باغ نظاره
آصف خسته را نهال کنید *
تا شهید خنجر مژگان یارم کرده اند
سرمه در چشم قیامت از غبارم کرده اند *
از رنگ توان یافت که در سینه چه دارم
درد دل من حاجت تقریر ندارد *
از حال دل گم شده دیگر چه توان گفت
خواهیست فراموش که تعبیر ندارد *
بویسته نگردد ز گره بستن عنبر
سودا زده را فائده زنجیر ندارد *
از کوشش بیهوده مهر سید ز شاکر
عمریست که می نالد و تاثیر ندارد *
ندارم تاب خجالت های فردا
بشوید کاش اشکم دفتر امروز *
قطره بدم و دریا شدنم بود امید
عقده درکار من افتاد و گهر گردیدم *
سخت دشوار است تاثیر سخن در غافلان
بشکنند صد تیشه تا از سنگ آب آید برون *

سنہ ۱۱۶۱ ہجری میں آپ نے بمقام برہان پور انتقال فرمایا۔
جسد مبارک برہان پور سے اورنگ آباد لایا گیا اور حضرت شاہ برہان
رحمہ اللہ کے مزار شریف کے پاؤں سپرد خاک کر دیا گیا۔

ذکی

ذکی تخلص - شیخ مہدی علی نام - مراد آباد مولد -
سال ولادت معلوم نہیں ہوا - مدتوں لکھنؤ میں مقیم رہے - فرنگی محل
(لکھنؤ کا ایک محلہ) کے علما سے تحصیل کی - کچھ دنوں ضلع
سہارنپور میں نائب تحصیلدار رہے -

دوران قیام لکھنؤ میں اچھے اچھے شعراء سے صحبتیں رہیں -
خود بھی اچھے شاعر تھے - فن تاریخ میں بھی خوب مہارت رکھتے تھے -
نواب آصف جاہ والی حیدر آباد (سنہ ۱۱۳۰ تا سنہ ۱۱۶۱ ہجری) کی
مدح میں ایک قصیدہ کہا جو شاعری کی مختلف صنعتوں پر مشتمل تھا -
اُن کے دیوان سے چند شعر بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں :-

جمال یار پہ ہم نے یہ ٹکٹکی باندھی
کہ اپنی آنکھ کا تل اُس کے منہ کا خال ہوا *
یہ جگر دل کا ہے ای سوز محبت ورنہ
پہینک دیتے ہیں شرر سینے سے پتھر باہر *
شب آنے میں قاتل کے جو دیر گزری
تجھے ای اجل یاد کرتے رہے ہم *
اٹھائے بہت سے مزے زندگی کے
بہت تجھ پر ای شوخ مرتے رہے ہم *
ماہتابی پر جو وہ خورشید روئے ہے حجاب
اپنے جامے سے ہوئی جاتی ہے باہر چاندنی *
دل ہم سے رہا جدا ہمیشہ
گویا وہ ضمیر منفصل ہے *

حسرت ای تازہ اسیران قفس آتی ہے
 دھوم سے فصل بہار اب کے برس آتی ہے *
 حشر ہو جائیگا بے تابي دل سے لیکن
 راہ پھر بھی تری اے عہد شکن دیکھینگے *

زکی کی وفات کا سال معلوم نہوسکا۔ چونکہ وہ نواب آصف جاہ
 کے عہد میں موجود تھے اور نواب موصوف کی خدمت میں ایک
 مدحیہ قصیدہ پیش کیا تھا اور نواب کی رحلت سنہ ۱۱۲۱ ہجری میں
 ہوئی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سنہ ۱۱۲۱ ہجری تک زندہ تھے۔
 اسی بنا پر ہم نے ان کا نام امید (المتوفی سنہ ۱۱۵۱ ہجری) کے بعد
 سپرد قلم کیا ہے۔

مخمور

مخمور تخلص - مرزا لطف اللہ نام - مرشد قلی خاں خطاب -
 حاجی شکر اللہ تبریزی کے فرزند - سورت مولد - سال ولادت سنہ ۱۰۹۵ھ -
 'بر سپہر سعادت آمد ماہ' تاریخ ولادت ہے - ان کے والد ولایت سے ہندوستان
 ۱۰۹۵ھ آئے اور سورت میں قیام کیا - یہیں مخمور
 پیدا ہوئے - آقا حبیب اللہ اصفہانی - سورت میں مقیم تھے - انہی
 سے مخمور نے عربی اور فارسی کی درسی کتابیں پڑھیں - فن شعر میں بھی
 ان ہی کے شاگرد ہوئے -

باب کے انتقال کے بعد بہ حیثیت تاجر بنگالہ پہنچے - نواب
 سرفراز الدولہ بہادر ناظم بنگالہ نے ان کی شرافت ذاتی و نسبتی اور علم
 و فضل کو دیکھ کر انہیں اپنی دختر سے منسوب کر دیا اور سفارش کر کے شاہ
 دہلی سے اعلیٰ منصب اور مرشد قلی خاں کا خطاب دلواوا - مدتوں آریسہ
 کی نظامت پر مامور رہے - آخر اپنے ماتحتوں کے مکر و فریب سے
 تذمت آکر اس عہدے کو خیر باد کہا اور نواب آصف جاہ کی خدمت میں
 پہنچے - برسوں حیدر آباد میں نواب کی بدولت خوش حالی سے زندگی
 بسر کی -

مخمور سلیم الطبع، خوش مزاج تھے - فاضل اور فصیح اللسان
 شاعر تھے - زمین کی پیمائش اور کار بند و بست میں کافی مہارت
 رکھتے تھے -

من اشعاره :-

گرفت شور جنونم چنل گریباں را
 کہ بر میان زدہ ام دامن بیاباں را *
 تعجب نیست بد طینت اگر حاجت روا گردد
 کہ زخم کهنہ را خاکستر عقرب دوا گردد *
 زدوناں کے بخود در ماندگانرا کار بکشاید
 گروہ امکان ندارد باز از انگشت پا گردد *
 تسکین دل ز صحبت روشن دلاں طلب
 آئینہ بے قراری سیماب می برد *
 چرا بسر نروں زود دفتر ایام
 کہ خود بخود ورقِ این کتاب می گردد *
 می فریبد نازنیفاں را بہر صورت کہ ہست
 کاش چوں آئینہ من ہم جوہرے می داشتم *
 سنہ ۱۱۶۴ ہجری میں بمقام اورنگ آباد سفر آخرت پیش آیا ۔

حاکم

حاکم تخلص - حکیم بیگ خان نام - فرزند شادمان خاں اوزبک -
 سال ولادت معلوم نہیں - ان کے والد عالم گیر (سنہ ۱۰۶۹ تا سنہ ۱۱۱۸ ھ)
 کے عہد میں بلخ سے ہندوستان آکر ہفت صدی منصب شاہی سے
 سرفراز ہوئے - محمد شاہ کے زمانے تک منصب پنج ہزاری اور نوبت
 و نقارہ تک ترقی پائی - لاہور میں سکونت اختیار کی - باب کے انتقال
 کے بعد حاکم کو بھی محمد شاہی دربار سے منصب و خطاب خانی
 مرحمت ہوا - آخر میں فقر کی دولت پر قناعت کی اور شاہ عبد الحکیم
 اپنا نام رکھا - اسی حالت میں دہلی اور کشمیر کی سیر کی -

حاکم واقف کے ساتھ تقریباً سنہ ۱۱۷۴ ھ میں دکن کی سیر کے لیے
 پنجاب سے نکلے - اورنگ آباد پہنچے - میر غلام علی آزاد کے یہاں
 ایک ہفتہ مہمان رہنے کے بعد دونوں سورت چلے گئے -

حاکم نے شاعروں کا ایک تذکرہ بنام 'مردم دیدہ' لکھا ہے۔ فصیح اللسان شاعر تھے۔ فن شعر میں شاہ آفریں لاهوری سے تلمذ تھا۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں:-

حاکم نہ داشتم سرو سامان فکر شعر
از فیض 'آفریں' بہ سخن آشنا شدم *

من اشعارہ:-

گر شدم پیر ہمہ عیش شباب است مرا
چوں شود خم قد من جام شراب است مرا *
در موسم خط حاکم از و چشم بپوشم
در شب چہ کنم گر نکم تخته دکان را *
نیست مارا بر امیران جہاں حاکم نظر
از امیر المؤمنین چشم کرم داریم ما *
حاکم ہرنگ غنچہ بگلزار روزگار
تنگی ز دل بخندہ بروں کردہ ایم ما *
ز ابلہی مکن اشعار را وسیلہ رزق
ببین زمین سخن قابل زراعت نیست *
کشیدم ذلت ہر نیک و بد پابوس او کردم
برای این نماز از آبروی خود وضو کردم *
مہرم از گردش ایام بتنگ آمدہ ام
صبح گر وا شدہ ام شام بتنگ آمدہ ام *
سنہ ۱۱۷۸ھ میں بمقام تہتہ (واقع سندہ) انتقال کیا۔

عاجز

عاجز تخلص - عارف الدین خاں نام - اجداد کا وطن بلخ تھا۔ ان کی ولادت ہندوستان میں ہوئی - سال تولد معلوم نہوا - شہنشاہ عالم گیر کے عہد میں ان کے والد بلخ سے ہند میں آئے - نواب آصف جاہ کے والد نواب فیروز جنگت کی سفارش سے بادشاہی منصب دار ہوئے - عاجز

کم سن ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا - سایہ پدری گیا تو کوئی سہارا نہ رہا - خوش قسمتی کہ نواب سید لشکر خاں مخاطب بہ رکن الدولہ نصیر جنگ نے، جو امرائے آصفیہ سے تھے، ان کی پرورش اور تعلیم کا بیڑا اُٹھایا - فضائلِ نصر سے درسی کتابیں پڑھیں - فارغ التحصیل ہونے کے بعد نواب موصوف کی رفاقت میں رہے - ان ہی کے ہم رکاب ہندوستان سے اورنگ آباد آکر ان کے توسل سے نواب آصف جاہ (سنہ ۱۱۳۷ تا ۱۱۶۱ ہجری) کی خدمت میں باریاب اور منصب و خطاب خانی و جاگیر سے سرفراز ہوئے - ایک قول یہ بھی ہے کہ نواب ناصر جنگ شہید (سنہ ۱۱۶۱ تا سنہ ۱۱۶۴ ہجری) کے عہد میں خطاب و جاگیر مرحمت ہوئی اور رسالہ کی بخشی گئی پر بھی سرفراز ہوئے -

عاجز قناعت پسند اور غیور تھے - اپنی ترقی کے لئے کبھی کسی سے استعدا نہیں کی - ان کی طبیعت کو شعر و شاعری سے قدرتی مناسبت تھی - مدتِ قلیل کی مشق سے اچھے شاعر بن گئے - تاریخ گوئی میں بھی اچھی مہارت تھی - ریختہ اور فارسی میں شعر کہتے تھے - دونوں زبانوں میں کلام شستہ اور صاف ہوتا تھا - ان کے فارسی اشعار کا نمونہ یہ ہے :-

سوخت یاد آن لب می گوں دل بیتاب را
کشت آخر آتش یاقوت این سیماب را *

برق حسنت افکند در دل شرار آئینہ را
سایہ خال تو سازد داغدار آئینہ ۱ *

شور صور صبح محشر می رسد عاجز بگوش
بے لب میگوں یار از قلقل مینا مرا *

بزہد خشک نقواں یافت فیض عارفان ہرگز
کجا کار شراب از نشہ تریاک می آید *

پس از ناصر علی عاجز گھر ریز سخن آمد
نکڑے گر رود از دہر نیکوتر شود پیدا *

تا حریر خندہ اش از نکہت گل بافتند
طیلساں گریہ ام از آہ بلبلی بافتند *

ریختہ کا یہ انداز ہے :-

ارے ناصح عبت کرتا نصیحت ترش رو ہو کر
 کھٹائی کا مچھے پرہیز ہے مت بیچ اچار اپنا *
 نو بہار آنے سے گل آیا ہے ای صیاد یاد
 اب کریگا کیوں اسپیروں کا دل ناشاد شاد *
 گردن اپنی کر کے خم آیا ہوں ای قاتل شتاب
 سر اٹھا کر آج بار خنجر فولاد لاد *
 آئی بہار رنگ سے خوش ہے دماغ باغ
 لیکر کھڑی ہے نرگس مخمور ایام باغ *
 عاجز بھی شمع آہ جلاتا ہے دشت میں
 روشن اگر گلوں سے ہوا ہے چراغ باغ *

عاجز نے ریختہ میں ایک مثنوی بنام لعل و گوہ لکھی ہے - اس کے چند اشعار یہ ہیں :-

لالہ لے مچھے رنگیں بیانی * عطا کر مچھکو بیاہوت معانی
 سخن کے در کا مچھکو جوہری کر * سخن سنجوں کو میرا مشتری کر
 سخن کا لال لے میری زباں کو * در معنی سے بھر میرے بیاں کو
 جفوں کے دشت کا بنکر بگولا * خرد کی راہ کو وحشت سے بھولا
 غزالوں کی طرح سرگرم رہا تھا * بیاہان اس کو گزارا رہا تھا
 وہاں کی ریت میرے کی کٹی تھی * وہاں کے کانٹے بھالوں کی آبی تھی
 وہاں کی باد تھی شوریدہ صرصر * وہاں کی کلکری تھی مثل اخگر

سنہ ۱۱۷۷ ہجری میں عاجز ایسے سخت علیل ہوئے کہ امید زیست منقطع ہو گئی - اپنے دوست مرزا معز الدین اصفہانی کو جو حیدر آباد میں مقیم تھے کہلا بھیجا کہ ”اگر میں مرجاؤں تو میری تاریخ وفات کھدینا“ مرزا نے ازراہ ظرافت جواب دے بھیجا کہ ”تم خود تاریخ کہنے میں اچھا ملکہ رکھتے ہو - دنیا چھوڑنے سے پہلے اپنی تاریخ خود کیوں نہیں کہہ جاتے؟“ یہ سنکر عاجز مسکرا کر اور وہیں اپنے نام اور تخلص کے اعداد

جمع کئے تو ایک عدد بڑھ گیا۔ کہا کہ اگر اگلے برس مروں تو بھی تاریخ کام آجائے اتفاق دیکھئے کہ انہیں صحت ہو گئی۔ اس کے بعد نانديتر گئے اور دوسرے سال یعنی سنہ ۱۱۷۸ ہجری میں وہیں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

تاریخ وفات یہ ہے 'عارف الدین خان عاجر'
سنہ ۱۱۷۸ ہجری

عاشق

عاشق تخلص - میر قاسم خان نام - خواجہ عبید اللہ خاں کے فرزند - اکبر آباد وطن - سال ولادت معلوم نہیں - ان کے والد 'محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں صوبہ مالوہ کے دیوان تھے - اس خدمت سے معزول ہو کر نواب آصف جاہ والی دکن (سنہ ۱۱۳۷ تا سنہ ۱۱۶۴ ہجری) کی خدمت میں پہنچے اور منصب جلیلہ پر سرفراز ہوئے - عاشق اپنے والد کی رحلت کے بعد نواب موصوف کے مورد عنایات بنے - میر سامانی کی خدمت پائی - ایک دن غصے میں اپنے کسی ملازم کو اتنا مارا کہ وہ مر گیا - اس لئے آقا کے معذوب ہو کر معزول کر دیئے گئے - آصف جاہ کے انتقال کے بعد نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید (سنہ ۱۱۶۱ تا سنہ ۱۱۶۴ ہجری) نے رحم کر کے ان کو اپنی مصاحبت میں لے لیا - مگر نواب امیر الممالک صلابت جنگ (سنہ ۱۱۶۴ تا سنہ ۱۱۷۵ ہجری) کے عہد کے دوسرے ہی سال یعنی سنہ ۱۱۶۵ ہجری میں اورنگ آباد سے دہلی چلے آئے اور گوشہ نشینی اختیار کی -

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے :-

ہر سال در بہار بہ کسب شرف جنوں

آید برہنہ پا بہ طواف دماغ ما *

پیش من چوں مے نباشد میرم از کرد خمار

شیشہ چوں خالی شود پیر می شراب بیمانه ام *

بقول صاحب 'تذکرہ محبوب الزمن' سنہ ۱۱۸۱ ہجری اور بقول

مروفت 'نتائج الافکار' بارہویں صدی ہجری کے اخیر میں انتقال کیا -

ایجاد

ایجاد تخلص مرزا علی نقی خاں نام - برہان پور مولد - فرزند احمد علی خاں المخاطب بہ نقد علی خاں - سال ولادت معلوم نہیں -
ایجاد کے والد شاہ سلیمان صفوی کے وزیر شیعہ علی خاں کے عزیزوں میں سے تھے، جو شاہ سلیمان صفوی کا وزیر تھا۔ وہ نواب آصف جاہ کے عہد میں ہمدان سے دکن آئے اور نواب آصف جاہ کے صاحبوں کے زمرے میں داخل ہوئے، حیدر آباد میں قیام کیا۔ آخر کار دیوانی پر مامور ہوئے۔

ایجاد برہانپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور دیگر علماء سے درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر اپنے والد کی وساطت سے نواب آصف جاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور سرکاری ملازمت میں داخل کر لئے گئے، صاحبیت کا بھی شرف بخشا گیا۔ سنہ ۱۱۶۴ھ میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تو ان کا خطاب ’نقد علی خاں‘ اور عہدہ دیوانی ایجاد پر بحال ہوا۔

ایجاد تحصیل علم کے بعد ہی شاعری کی طرف مائل ہو گئے۔ طبیعت بھی موزوں پائی تھی، اس پر باپ جیسے شفیق استاد کی توجہ، عرصہ قلیل ہی میں اس فن میں اتنا عبور حاصل کیا کہ دکن کے مستثنیٰ اور نامی شعرا میں شمار ہونے لگا۔

ایجاد کے اشعار کا نمونہ یہ ہے :-

در ہر جگرے ہست خراش سخن ما

الماس تراش است تراش سخن ما *

بروی مشہد پروانہ شمع را دیدم

کہ چادرے زگل داغ می کشید امشب *

طالعہ برگشت و بخت انتظارم ہرنگشت

نامہ ہر برگشت و خط برگشت و یارم ہرنگشت *

نفس درکش گوار از بحر حقیقت گوهرے خواہی
 بہ دریا چون رود غواص دم در خویشتن دزد *
 چالاکي نگاه تو نازم کہ سوي من
 دیدي چنان کہ چشم ترا ہم خبر نہ شد *
 ز کس چیزے گرفتن ہمتم بس ننگ می داند
 کف دستم ز استغنا کجا رنگ حنا گیرد *

ایجاد کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ مولف تذکرۂ نتایج الافکار نے اُن کی رحلت سنہ ۱۱۸۹ھ بتائی ہے۔ مولف تذکرۂ محبوب الزمن نے لکھا ہے کہ ”آپ کا سنہ رحلت کسی تذکرۂ نویس نے نہیں لکھا مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۸۵ ہجری کے قریب فوت ہوئے۔“ نواب غلام محمد غوث خاں بہادر المتخلص بہ اعظم نواب کرناٹک نے ’گلزار اعظم‘ میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ”تذکرۂ مسمیٰ بہ نتایج الافکار بہ نہایت فصاحت و بلاغت و درستی عبارت و صحت احوال و صداقت اقوال نکاشتہ و مذت پر ناظران گماشتہ چنانچہ دریں سرکار بہ قالب طبع در آمدہ“ اس بنا پر اور نیز دیگر قرائن سے ہمیں بھی نتایج الافکار سے اتفاق ہے۔

واقف

واقف تخلص - شیعہ نور الدین نام - قاضی امانت اللہ کے فرزند -
 قصبہ بٹالہ^۱ وطن - سال ولادت معلوم نہیں -

واقف کے اجداد قصبہ بٹالہ کے قاضی تھے - انہوں نے فارسی، عربی سے فارغ ہو کر سخن سنجدی کی طرف توجہ کی اور شیریں زبان شاعر ہو گئے - ان کے کلام میں بڑی سلاست اور فصاحت تھی - جیسا کہ ان کے اشعار سے معلوم ہوگا -

۱ بٹالہ (بفتح باء موحدة و تاء فوقانی ہندی) ہر روز حلالہ قصبہ ایست از توابع دار السلطنت لاہور بہ فاصلہ سی کروہ (عزانہ عامرہ) -

حاکم اور واقف دکن کی سیر کے لئے پنجاب سے ہم رفیق ہو کر نکلے۔
 ۲۱ رجب سنہ ۱۱۰۶ ہجری کو اورنگ آباد پہنچے اور میر غلام علی آزاد
 کے یہاں ایک ہفتہ مہمان رہ کر دونوں بندر سورت کو روانہ ہوئے۔ حاکم تو
 بذریعہ جہاز حرمین شریفین چلے گئے لیکن واقف امراض جسمانی اور
 ناتوانی کے باعث سورت ہی میں پڑے رہے۔ جب حاکم حج سے فارغ ہو کر
 لوٹے تو دونوں صاحب سورت سے بھر اورنگ آباد آئے۔ چندے حیدر آباد
 میں بھی قیام کیا۔ وہاں سے وطن کی طرف واپس ہوئے۔ راستے میں
 اورنگ آباد اور بالاپور کے درمیان راہ زبوں نے دونوں کو لوٹ لیا۔ بڑی مشکل
 سے بالاپور برار پہنچے اور اس واقعہ کی اطلاع میر غلام علی آزاد کو دی۔
 اسی ضمن میں واقف نے یہ رباعی بھی لکھی :-

کردند غریب غارتے راہ زناں

سر ماند و نہ ماند هیچ چیز از سامان *

بردند ہر آنچہ بود الا عینک

واماندہ بجای ہمیں دو چشم حیراں *

آزاد نے کچھ روپیہ بھیج دیا مگر کافی نہوا۔ کولہاپور پہنچ کر پھر آزاد
 کو لکھا، انہوں نے کافی رقم بھیج دی۔ جب کہیں جا کر دونوں صاحب
 اپنے وطن پہنچے۔

من کلامہ :-

نہ کشد یار از غرور مرا

کشغن خویش شد ضرور مرا *

در نظر چوں سایۂ شمشاد می آید مرا

سر بہ پلے یار سودن یاد می آید مرا *

نور آمدم بہ دام تو زودم چہ می گشتی

بگذار یک دو روز بہ کفج قفس مرا *

تا نمودی از مسی رنگیں دھان تنگ را

ساختی تاریک در چشم جہان تنگ را *

خیل ز انجمن شرمسار از چمن

نہ عندلیب نہ پروانہ کردہ اند مرا *

رسید یار و گریبان من درید و گزشت
 بداد کوتہی دست من رسید و گزشت *
 نے جیب من درید و نہ دامان من کشید
 مارا دریں بہار نیامد بہ کار دست *
 من نمی گویم کہ مجنوں باش در صحرا نشیں
 شہر ہم بد نیست لیکن فارغ از دنیا نشیں *
 جان من از خودی جدائی گن
 بندگی کردہ خدائی گن *
 تلاش وصل این سیمیں براں آخر گدایم کرد
 شدہ مفلس ز فکر کیمیا آہستہ آہستہ *
 واقف نے سنہ ۱۱۱۵ ہجری میں انتقال کیا۔

ذکا

ذکا تخلص - میر اولاد محمد نام - فرزند میر غلام امام - بلگرام وطن -
 سال پیدائش سنہ ۱۱۵۱ ہجری - اُن کے والد اور میر غلام علی آزاد
 حقیقی بھائی تھے - یوں ذکا آزاد کے سگے بھتیجے ہیں - اُن ہی کی
 خواہش پر آزاد نے تذکرۂ 'خزانۂ عامرہ' لکھا تھا۔

ضروری تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے محترم چچا کی طلب پر وطن سے
 اورنگ آباد گئے - پانچ سال ان کے زیر پرورش رہ کر تعلیم کی تکمیل کی -
 پھر وطن گئے اور دو سال کے بعد دکن لوٹ آئے - نواب میر نظام علی
 خاں بہادر آصف جاہ ثانی والی دکن (سنہ ۱۱۷۵ تا سنہ ۱۲۱۰ ہجری)
 کی خدمت میں باریاب ہوئے اور منصب اور خطاب خانی پایا - بڑی
 عزت و آبرو سے زندگی بسر کی -

ذکا بڑے خوش گو شاعر تھے اور بڑے ذہین و سخن فہم بھی - آزاد
 سے تلمذ تھا - تاریخ گوئی میں اچھی مہارت تھی - فارسی اور ہندی
 دونوں میں شعر لکھتے تھے -

اُن کے فارسی اشعار کا نمونہ یہ ہے :-

نم عالم آفرین سر حلقہ عنوان ما

مد بسم اللہ خط پیشانی دیوان ما *

تمنا خاطر معجون ہندوستان ہمیں دارد

کہ لیلای عرب آباد سازد محمل مارا *

معلوم شد کہ حسن برد مہربان عشق

ہر ذرّہ را بزور کشد در بر آفتاب *

پنچہ از شوخی بد امانت زدن دستور نیست

ورنہ دست ما ضعیفان این قدر کمزور نیست *

ہر شمع کہ آمد بنظر چشم ترے داشت

سوز دل پروانہ قیامت اثرے داشت *

ہمیں خیال بہ دل بار بار می آید

کہ بے تو زندگی من چہ کار می آید *

ہزار مرتبہ کفارۂ گناہ دہد

بہ سہو گر گزرش بر مقام ما افتد *

گزشت آن تند خو مانند ناوک از کنار من

تہی گردید آخر چون کمان حلقہ آغوشم *

ہندی اشعار کا نمونہ یہ ہے :-

فغاں سے ایک دم تو باغ میں خاوش رہ بلبل

نہیں سنتی کہا - کیا روز آیا ہے خرابی کا *

غم اب مختار ہے دل چھوڑ دیوے خواہ لے جاوے

پر اتنا چاہتا ہوں پھر خدا یہ دن نہ دکھلاوے *

رہا گر آستان پر آکے میں حسن عقیدت سے

تکلف برطرف سرکار کا کیا اس میں نقصان ہے *

لگے کیونکر نہ دل کنج قفس میں عندلیبوں کا

جہاں میں آج کل آباد کر کچھ ہے تو زنداں ہے *

ذکا کی رحلت کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں - مؤلف
 'محبوب الزمن' نے لکھا ہے کہ "آپ کی رحلت تیرھویں صدی ہجری کے
 اوائل میں بہ اختلاف روایات سنہ ۱۲۰۵ ہجری یا سنہ ۱۲۰۸ ہجری میں
 ہوئی" - 'نتایج الافکار' کے مؤلف کہتے ہیں کہ ذکا تیرھویں صدی کے اوائل
 میں فوت ہوئے -

فصل سوم

فارسی گو شعرا جو دکن میں پیدا ہوئے

سلطان محمود شاہ بہمنی

تخلص معلوم نہیں، شاید محمود ہی ہوگا۔ سال ولادت کا بھی پتہ نہیں چلا۔ (سلطان) محمود شاہ بہمنی نام۔ فرزند سلطان علاء الدین بہمنی۔ اپنے بھائی داؤد شاہ بہمنی (سنہ ۱۷۱ تا سنہ ۷۸۰ ہجری) کی شہادت کے بعد مسند آراء سلطنت دکن ہوئے۔ یہ بادشاہ نہایت عادل۔ نیک نفس۔ خوش خلق۔ پابند شرع۔ متقی تھا۔ انہوں نے گلبرگہ شریف، بیدر، قندھار، ایلچپور، دولت آباد، جنیروابل اور شہروں میں، یہاں تک کہ قصابات میں بھی اپنے خرچ سے یقیموں کے لئے استاد مقرر فرمائے۔ حدیث شریف سے ذوق تھا، محدثین کے لئے وظائف جاری کئے۔ نابیناؤں کی ماہواری تنخواہیں مقرر کیں اور اس میں ایسی فیاضی سے کام لیا کہ اکثر لوگ اندھے بنکر تنخواہ لے جاتے تھے اور چشم پوشی کی جاتی تھی۔

خود صاحب علم تھے۔ فارسی اور عربی میں فصاحت کیساتھ گفتگو کرتے تھے۔ قرآن مجید خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ خوش نویس تھے، اچھے شعر تھے اور شعرا نے ایسے قدرداں کہ عجم و عرب کے شعرا آتے اور اُن کے خوان فیض سے اسیر ہوکر جاتے تھے۔ چنانچہ ایک عجمی شاعر میر فیض اللہ انجو، صدر دولت بہمنیہ کی وساطت سے آستان بوس شاہی ہوا۔ اُس نے ایک قصیدہ پیش کیا۔ جس کے صلے میں اُس کو ایک ہزار تنگہ (تنگہ = ایک تولہ طلا) عطا فرمائے گئے۔ یہی عطیات تھے جن کی شہرت دور و نزدیک پھیلی ہوئی تھی۔ غالباً ان ہی کو سن کر خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمہ نے بھی دکن آنے کا قصد کیا، مگر بعض موانع ایسے پیش آئے کہ نہ آسکے۔ میر فیض اللہ انجو کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو

انہوں نے خواجہ کو سفر خرچ بھیجا۔ وطن سے نکلے تو معلوم ہوا کہ ان کے ایک دوست کا مال لٹ گیا اور وہ مفلوک الحال ہیں۔ خواجہ کے پاس جو کچھ تھا وہ ان کو دے دیا اور خود خواجہ زین العابدین ہمدانی اور خواجہ محمود گازرونی (جو بڑے تاجر تھے) کے ہمراہ دکن آنے کا قصد کیا۔ دونوں نے ان کے اخراجات کا بار اپنے ذمے لیا۔ یوں وہ بندر ہر موز پہنچے، جہاں سلطان محمود کی کشتیاں خواجہ حافظ کو لانے کے لئے آئی ہوئی تھیں۔ کشتی تھوڑی ہی دور دریا میں گئی تھی کہ باد مخالف چلنے لگی۔ خواجہ سخت پریشان ہوئے اور یہ بہانہ کر کے کہ ”میں ہر موز کے چند دوستوں سے رخصت نہیں ہوا“ ان سے مل لوں تو چلوں“ کشتی کو کنارے لگوا دیا اور اتر کر پھر شیراز واپس چلے گئے اور ایک غزل لکھ کر اپنے کسی دوست کی معرفت میر انجو کو بھیج دی۔ جس کا مطلع یہ ہے :-

دے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد

بہ مے بفروش دلق خود کریں بہتر نمی ارزد *

میر فیض اللہ نے یہ غزل بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے تمام کیفیت عرض کر دی۔ اب سلطان کی قدردانی اور قدر افزائی قابل دید ہے کہ انہوں نے فرمایا ”جب خواجہ ہمارے پاس آنے کی غرض سے چل پڑے تھے تو ہم پر ان کی امداد واجب ہو گئی“ ملا محمد قاسم مشہدی کو حکم دیا کہ ایک ہزار تنگہ طلائی لے کر ہندوستان کی نادر چیزیں خریدیں اور شیراز جا کر ہماری طرف سے خواجہ کو دے آئیں۔

سلطان محمود شاہ کے کلام کا یہ نمونہ ہے :-

آنجا کہ لطف دوست دہد منصب مراد

بخت سیاه و طالع میمون برابر است *

عافیت در سینہ کار خون فاسد می کند

رخصتے ای دل کہ از الماس نشتر می خورم *

خضر بد سودا است در بیع متاع عافیت
 می روم این جنس را از جلے دیگر می خرم *

اس بادشاہ عادل و باذل نے بتاریخ ۲۱ رجب سنہ ۷۹۹ ہجری
 بعارضۃ تپ محرقہ قضا کی۔

فیروزی

فیروزی تخلص۔ فیروز خان نام۔ خطاب فیروز شاہ بہمنی،
 فرزند داؤد شاہ بہمنی۔ سال ولادت سنہ ۷۷۰ ہجری۔ اپنے نامور
 باپ کی شہادت کے وقت جو سنہ ۷۸۰ ہجری میں واقع ہوئی،
 سات سال کے تھے۔ سنہ ۷۹۰ ہجری میں تاج و تخت دکن کے مالک
 ہوئے۔ خاندان بہمنیہ میں شان و شوکت، رعایا پروری، غربا نوازی کے
 لحاظ سے سب بادشاہوں سے ممتاز تھے۔

تخت نشین ہو کر اپنے بھائی احمد خان کو خان خاناں کا خطاب
 دے کر امیر الامرا بنایا۔ ان ہی کے عہد میں حضرت خواجہ بندہ نواز
 سید محمد حسینی گیسر دراز قدس سرہ العزیز دہلی سے تشریف
 فرمائے گلیبرگہ ہوئے تھے۔ احمد خان خان خاناں نے آپ کے لئے ایک خانقاہ
 بنوادی تھی۔ اسی میں آپ فروکش ہوئے تھے۔ خان خاناں اکثر آپ کی
 خدمت مبارک میں حاضر ہوا کرتے اور فیض ظاہری و باطنی حاصل
 کرتے تھے۔ سنہ ۱۰۸۰ ہجری میں سلطان فیروز شاہ نے اپنے فرزند
 حسن خان کو ولی عہد بنا کر حضرت کی خدمت میں دعالے خیر کے لئے
 بھیجا۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ ”جب تم نے اس کو بادشاہی دے دی
 تو پھر فقیر کی دعا کی کیا حاجت ہے“ سلطان کی طرف سے اصرار ہوا
 تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”عالم بالا سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ تمہارے
 بعد تمہارا بھائی تخت نشین ہو۔ اس صورت میں کسی اور کے حق میں
 دعا کرنی بیکار ہے“۔ چنانچہ حضرت کی پیشین گوئی صادق آئی اور
 وہ اس طرح کہ فیروز شاہ سخت علیل ہوئے اور اپنے بھائی کو اپنا

جانشین بنادیا اور دس دن کے بعد جان بحق تسلیم ہوئے۔ آخر خان خاناں ہی بادشاہ بنے۔

فیروز شاہ بڑے عالم و فاضل، علم پرور، عادل، عاقل، مدبر، فیاض اور متشروع بادشاہ تھے۔ دن بھر میں جب فرصت پاتے، ایک ربع جزو کلام مجید لکھتے اور اُس کو فروخت کر کے بسر اوقات کرتے۔ ہر شب دو پہر رات تک علما، مشایخ، شعرا، قصہ خواں، افسانہ گو اور خوش طبع لوگوں سے ہمکلام رہتے اور ان سے مساویانہ اور برادرانہ سلوک کرتے تھے۔ اکثر ممالک کے اہل کمال ان کے یہاں جمع تھے اور ان کے خوان فیض سے بہرہ اندوز ہوا کرتے تھے۔ خود سلطان بہت سی زبانوں کے ماہر تھے۔ ہر ملک کے باشندوں سے ان ہی کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ قوت حافظہ اس بلا کی تھی کہ جو بات ایک یا دو دفعہ سن لیتے پھر کبھی نہیں بھولتے تھے۔ اکثر علوم بالخصوص تفسیر، اصول، حکمت طبعی و نظری میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔ ہر ہفتے میں تین دن سنیچر، پیر اور بدھ طلبا کو پڑھانے کے لئے مخصوص تھے۔ اگر دن میں فرصت نہ ملتی تو رات کو وقت نکالتے۔ حضرات صوفیہ صافیہ کے اصطلاحات و مقامات و حالات سے خوب واقف تھے۔ بہت اچھے شاعر تھے۔ کبھی عروجی اور کبھی فیروزی تخلص کرتے تھے۔ طبیعت میں دقت پسندی اور مضمون آفرینی تھی، جیسا کہ ذیل کے چند اشعار سے معلوم ہوتا ہے :-

بداں مٹاہ ز غم دہر بردام تنگ است

کہ دل بہ لذت سوداے عشق در جنگ است *

گل امید شگفت از نسیم وعدہ ولے

ز آفتاب غم انتظار بیرنگ است *

بہ قطع راہ محبت مخور فریب امید

کہ غایت ابدش ابتداء فرسنگ است *

بجز سرود محبت نکرد زمزمہ نے

کہ ہر چہ خارج این پردہ تنگ آہنگ است *

دلہ بہ سینہ لب لب ز دوستی دارم
 کہ پیش اہل جہاں بے بہا تراز سنگ است *
 دماغ طبع عروجی چہ دلکشا چمنی است
 چمن نگوی کہ آن آسمانِ فرہنگ است *
 کرشمہ جنبش آموز است مژگانِ درازش را
 ستم کرد است واجب ہر زماں تعلیم نازش را *
 محبت چاک بر دل می زند ہر گہ کہ در بندی
 بخود ، خصوص می بینم تغافل ہلے نازش را *
 مباد آسیب نقصان یا بد از سوز دلم تارے
 بدل چوں رہ دہم اندیشہ زلف درازش را *

رباعی

در آتش ہرزہ فکر زائل نکنی * اندیشہ بہر خیال مائل نکنی
 این نقد خزینہ دماغ است بگوش * تا صرف بجنس ہلے باطل نکنی
 آخر سنہ ۱۲۵ ہجری میں ملک بقا کی راہ لی -

وفائی

وفائی تخلص - اسمعیل عادل شاہ نام - فرزند یوسف عادل شاہ -
 کم سنی میں باپ کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے - باپ کی
 وصیت کے موافق اور سلطنت کی نگرانی کمال خاں دکنی کے تفویض
 کی گئی - ابتدا میں اُس نے ریاست کی خیر خواہی کی - مگر کچھ
 دنوں کے بعد کمال نمک حرامی سے خود بادشاہ بننے کی تدبیریں
 کرنے لگا - کم سن فرمان روا کی والدہ پونجی خاتون نے یہ حال
 دیکھ کر اس کو یوسف ترک کے ہاتھ سے قتل کرا دیا - اس کے بعد
 اسمعیل عادل شاہ نے طمانیت کے ساتھ حکمرانی کی -

یہ بادشاہ بڑا حلیم و کریم و سخی تھا - علماء فضلا اور شعرا کو
 ہمیشہ اپنی صحبت میں بلاتا اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرتا -

موسیقی اور شاعری میں ید طولی رکھتا تھا - جیسے کہ اُس کے
مفرد جملے ذیل اشعار سے ظاہر ہے :-

دل خوباں ز قید مهر آزاد است پنداری
مدار دلبری بر جور و بیداد است پنداری *
مرا صد محنت از عشق تو بر دل میروں ہر دم
دل ویران عاشق محنت آباد است پنداری *
ز ہجرت آتش دارم بہ دل کز بہر تسکینش
نصیحت ہای سرد زانہاں بد است پنداری *
ز عشق قلمت سرو سہی را ماند پاد گل
دانش صد پارہ و زبار دل آزاد است پنداری *
دل ریش وفائی آنچنان خو کردہ با تیرش
کہ پیکانش بجائے مرہم افتاد است پنداری *
شب ہجر جز گریہ کارے ندارم * بجز دیدۂ اشکبارے ندارم
شبے نگزد کز فراق تو چوں شمع * پر از اشک حسرت کفارے نہ دارم
من و عشق ورنہدی و کوی ملامت * براۂ سلامت گزارے ندارم
ازاں باغمش خو گرفتم وفائی * کہ غیر از غمش غمگسارے ندارم
دل بہ زلفش حکایتے دارد * از شب غم شکایتے دارد
تا کے آزار اہل دل طلبی * بے وفائی نہایتے دارد
غم دل منہخورم ز غصہ کہ یار * با رقیبیاں عفاتے دارد
دل سختش ز آہ من شد نرم * آہ عاشق سرایتے دارد
ای وفائی مثال از ستمش * کہ ستم نیز غایتے دارد
پچیس سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۹۴۱ ہجری میں
احکم الحاکمین کا حکم آپہنچا اور انہوں نے حیات مستعار واپس
سپرد کر دی -

جمشید

جمشید تخلص - جمشید خان نام - جمشید قطب شاہ
خطاب شاہی - فرزند قطب الملک سلطان قلی قطب شاہ -

سنہ ۱۵۰ ہجری میں جمشید نے میر محمود ہمدانی کے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کرا دیا۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک روز قطب الملک سلطان قلی قطب شاہ (سنہ ۹۱۸ تا سنہ ۱۵۰ ہجری) قلعہ گولکنڈہ کی جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ میر محمود نے عین حالت نماز میں قتل کر ڈالا۔ جمشید خاں اسیر تھا۔ اس کو فوراً رہا کر دیا۔ اس کے بعد بعض مفسدوں سے ساز باز کر کے قطب الملک کے بڑے بیٹے ملک زادہ قطب الدین کو اندھا کرا دیا اور جمشید خاں تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ صاحب عام و فضل اور شاعر تھا۔ یہ دو شعر جمشید کے ہیں:-

کاکل و چین زلف و خال لب ت

ہر یکے در کمال رعنائی *

جا سر زلف تو سوداے سیاہے دارم

ابن چہ سود است کہ با زلف چو شام است مرا *

سنہ ۱۵۷ ہجری میں سات سال اور چند ماہ کی حکومت کے بعد مرض سرطان سے انتقال کیا اور اپنے ہی مقتول باپ کے مقبرے کے پاس سپرد خاک کیا گیا۔

صادق

صادق تخلص۔ مرزا صادق نام۔ والد کا نام اور سال ولادت معلوم نہیں۔ سلطنت نظام شاہی میں منجملہ اور فضلا کے مرزا صادق بھی تھے۔ بہ لحاظ علم و دانش برگزیدہ اور فن انشا و شاعری میں چیدہ تھے۔ کلام کا نمونہ ان رباعیوں سے معلوم ہوگا:-

رباعی

من مصحف اقدس مقدس کیشم

من ہیکل علوی قضا اندیشم *

خواہی ز زمانہ چشم زخمت نہ رسد

تعویذ تو ام، جدا مکن از خویشم *

ای روشنی چشم ز بہراں بیدار

ای وصل تو مرہم درون افکار *

از ہجران تو بیقرار است دلم
یک لحظہ کنار خاطر گم قرار *

ایک نمک حرام مرزا خاں نامی نے بد خواہی اور خود غرضی سے میرا حسین نظام شاہ ثانی کو سنہ ۱۹۶ ہجری میں قتل کروایا۔ حبشیوں اور دکنیوں نے بسر کردگی جمال خاں اس کوور نمک کا کام تمام کر دیا اور قلعے میں گھس کر اہل قلعہ کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ بے گناہ مقتولوں میں مرزا صادق بھی تھے۔

فہیمی

فہیمی تخلص۔ ان کا نام و سال ولادت وغیرہ معلوم نہوسکا۔
ابراہیم عادل شاہ والی بدیعپور کے عہد کے شاعر ہیں۔ خواجہ سعد الدین شیرازی، المخاطب بہ شہنواز خاں بادشاہ کے مقرب اور وکیل تھے۔ فہیمی پر ان کی بڑی عنایت تھی۔ فہیمی بھی ہمیشہ ان کی خیر مناتے رہتے تھے۔ سنہ ۱۰۱۰ ہجری میں شہنواز خاں کے بیٹا ہوا۔ علاء الدولہ اس کا نام رکھا گیا۔ فہیمی نے اس موقع پر ایک طولانی قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:—

شگفتہ روئی ابن نوگل جہاں افروز

چمن چمن گل عشرت بہوستان آورد *

ہزارو دہ بود از سال ہجرت نبوی

چنیں شمار حکیم حساب داں آورد *

مسافرے ز دیار جلال وجاہ رسید

کہ بخت و دولتش از بہر ارمغان آورد *

ز بہر زائچہ طالع ہما یونش

مہندس فلکی کلک درمیاں آورد *

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فہیمی سنہ ۱۰۱۰ ہجری تک زندہ تھے۔

سال وفات معلوم نہیں۔

آفتاب

آفتاب تخلص - میر احمد خاں نام - نظام الدولہ ناصر جنگ
خطاب - نواب آصف جاہ نظام الملک والی حیدر آباد کے دوسرے فرزند -
سال ولادت معلوم نہیں -

سنہ ۱۱۶۱ ہجری میں اپنے والد کے انتقال کے بعد مسند نشیں ہو کر
برہان پور سے اورنگ آباد تشریف فرما ہوئے - یکایک احمد شاہ بادشاہ
دہلی نے کسی امر سلطنت کے انتظام کے لئے آپ کو طلب فرمایا -
اگرچہ ملک میں بعض باغیوں نے بے طرح سر اٹھایا تھا مگر حکم شاہی کے
موافق آپ مع خدم و حشم روانہ ہوئے - دریائے نرپداہی تک پہنچنے
پائے تھے کہ فرمان شاہی ملا کہ ”آپ کے آنے کی ضرورت نہیں ہے“ -
اس لئے اورنگ آباد واپس ہو گئے -

ہدایت محی الدین خاں المخاطب بہ مظفر جنگ (دختر زاد) نواب آصف جاہ (ناظم رائچور کی شورش کی خبریں آنے لگیں -
حسین دوست خاں نایبی عرف چندا صاحب نے ہدایت
محی الدین خاں کے ساتھ ساز باز کر کے ارکات پر قبضہ کر لینے کا ارادہ کیا
اور فراسیسوں کی مدد سے نواب سراج الدولہ انور الدین خاں بہادر
شہامت جنگ پر، جو ناظم ارکات تھے، حملہ آور ہوا - میدان
جنگ میں نواب انور الدین خاں جوہر شجاعت دکھا کر شہید
ہو گئے - اس واقعے کی اطلاع نواب ناصر جنگ کو ملی تو ان کے اور
فراسیسوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی، نواب صاحب نے فتح پائی -
ہدایت محی الدین خاں گرفتار ہوئے - چونکہ فراسیسی خیرگی اور
شورش پر اترے ہوئے تھے، ان بد کمیشوں کی تنبیہ کے لئے فوج کا ایک دستہ
معین کر کے نواب ناصر جنگ، ارکات کی طرف روانہ ہوئے - اسی اثنا میں
فراسیسوں نے چندہی کا قلعہ فتح کر لیا - اس واقعے سے نواب ناصر جنگ
کو سخت ملال ہوا اور باوجود کثرت بارش آپ نے چندہی کا رخ کیا -
کرناٹک کے علاقے کے افغان سرداروں نے نمک خواری کا پاس نہ کر کے

ملک و مال کی حرص سے خفیہ طور پر فرانسیسوں کی حمایت کی اور
نواب کو شہید کر دالا۔ لاش اورنگ آباد بھیجی گئی اور حضرت شاہ
برہان الدین غریب قدس سرہ العزیز کے مزار مبارک کے پاس اپنے والد
کی قبر کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

نواب ناصر جنگ اچھے شاعر تھے۔ فن شعر میں آزاد بلگرامی سے
تلمذ تھا۔ ایک ضخیم دیوان آپ نے یاد گار چھوڑا۔ اشعار ذیل بطور نمونہ
ملاحظہ ہوں :-

گر خضر گرد صرفہ ز اسکندر آب خویش
خضر خط تو آب بقا می دہد مرا *
دل بہ دست خال او دادن خطاست
سازم از زنگی نہاں آئینہ را *
می کند سحر در علاج دلم
نرگس یار گرچہ بیمار است *
موسم پیری است می باید عصا
دست ما در گردن میفا خوش است *
در محفل سپہر ندیدیم امتیاز
بر آفتاب و ماہ زحل را تقدم است *
اگر بوی آن گل صبا می رساند
بہ زخم دل ما دوا می رساند *
فلک گرچہ دارد تلاش جدائی
بہم دوستان را خدا می رساند *
ابر دریا دل بدست گوہر افشاں می رسد
ای صدف دامن کشا کارت بہ سامان می رسد *
نواب ناصر جنگ کی تاریخ شہادت میر آزاد بلگرامی نے
یہ لکھی ہے :-

نواب عدل گستر عالی جناب رفت
فرصت نہ داد تیغ حوادث شتاب رفت *

در ہفدہم ز ماہ محرم شہید شد
تاریخ گفت نوحہ گرے ”آفتاب رفت“ *
۱۱۶۴ ہجری

رسا

رسا تخلص - جان مرزا نام - مرزا خاں خطاب - فرزند سید
میر جان - حیدر آباد مولد - سال ولادت معلوم نہیں - رسا کے اجداد
ہمدان کے رہنے والے اور سادات حسینی میں سے تھے - ان کے اجداد
میں سے ایک صاحب میر شاہ طاہر نام شہنشاہ اکبر (سنہ ۹۶۳ تا
سنہ ۱۰۱۴ھ) کے عہد میں ہندوستان آئے - بادشاہ نے بڑی عزت و توقیر
کی اور چند عوامی بطور جاگیر عطا کئے - پھر وہ دکن آئے - سلاطین
دکن نے ان کی ایسی خاطر داشت کی کہ وہ یہیں کے ہو رہے -

رسا کے والد میر جان بھی زیور علم و فن سے آراستہ تھے - شہنشاہ
عالم گیر کے زمانے میں انہیں اچھے اچھے مناصب پر سرفراز کیا گیا اور
انہوں نے بھی شاہستہ خدمتیں کیں -

رسا کی ولادت بلدہ حیدر آباد میں واقع ہوئی - نواب آصف جاہ
(سنہ ۱۱۳۷ تا سنہ ۱۱۶۱ھ) کے لشکر میں تعلیم پائی - اپنے والد ہی سے
درسی کتابیں پڑھیں اور ایسی قابلیت حاصل کی کہ قلیل مدت میں
نواب موصوف کے مصاحب ہو گئے اور آخر عہد میں دارالانشا کے میر منشی
بھی مقرر کئے گئے -

بہت خوش خلق تھے، اس لئے شہر بھر کے محبوب تھے - نواب کے
ہم رکاب دہلی ہو آئے تھے اور وہاں کے مشہور شعرا سے خوب ملاقاتیں
رہی تھیں - خود اچھے سخن سنم اور سخن فہم تھے - ان کے کلام
کا انداز یہ ہے :-

از غم ہر کس بہ دل فریاد می آید مرا
شیشہ ہر جا بشکند دل یاد می آید مرا *

رحم کن ای باغبان گلدستہ پیش من میار
 مجمع یاراں رنگیں یاد می آید مرا *
 در سرا پرده دل ہر نفس آوازے ہست
 کہ دریں خانہ نہاں خانہ ہر اندازے ہست *
 خود راز تنگی قفس آزاد می کنم
 این مشقت پر تواضع صیاد می کنم *
 نہ رسم اگر بہ ہزمش ز ہجوم نارسائی
 بہ خیال آستانش من و مشق جہہ سائی *
 کہ ہر پیام مارا بحریم خوش نگاہاں
 رقم نموده آہم دوسہ مصرع ہوائی *
 سنہ ۱۱۷۴ ہجری میں بمقام حیدر آباد وفات پائی آزاد بلگرامی نے
 تاریخ کہی :-

شیرازہ نظم میرزا خاں * ہم نثر بہ فکر او مباہی
 تاریخ وفات او خرد گفت * پیوست برحمت الہی
 ۱۱۷۴ ھ

جرات

جرات تخلص - میر محمد ہاشم نام - موسوی خاں اور معز الدولہ
 خطاب - فرزند میر محمد شفیع - اورنگ آباد مولد - سال ولادت
 سنہ ۱۰۸۸ ہجری ہے -

ان کے والد اور دادا شہنشاہ عالم گیر کے عہد میں ہندوستان آئے -
 دونوں کو شاہی ملازمتیں مل گئیں - کچھ دنوں کے بعد بسلسلہ ملازمت
 اورنگ آباد تبدیل ہوئے - یہیں قوطن اختیار کرلیا - اسی شہر میں
 جرات پیدا ہوئے ، اپنے والد ہی سے تحصیل علم کی -

امیر الامرا سید حسین علی خاں کا عروج ہوا تو ان تک رسائی
 ہوئی اور انہوں نے دھارور ضلع اورنگ آباد کا قلعہ دار مقرر کر دیا -
 سنہ ۱۱۳۱ ہجری میں امیر الامرا دہلی گئے تو جرات بھی ہم رکاب

تھے۔ جب طبقہ سادات کا زوال ہوا تو جرأت کی عمر ۴۵ برس کی تھی۔ اس کے بعد سے آخر عمر تک وہ نواب آصف جاہ اور آپ کے جانشینوں کی سرکار میں دارالانشا کی، میز منشی گری اور دیگر معزز عہدوں پر ممتاز رہے۔ اسی اثنا میں معز الدولہ کا خطاب بھی پایا۔

نظم و نثر میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ جب وہ آصف جاہ کے ہمراہ محمد شاہی دربار میں باریاب ہوئے تو نواب ممدوح نے ان الفاظ کے ساتھ ان کی تقریب کی کہ ”موسوی خاں اس زمانے کے ابوالفضل ہیں۔“

زمانہ قیام دہلی میں جرأت، وہاں کے علما سے ملے اور ان سے استفادہ کیا۔ ان کے کلام کا یہ نمونہ ہے :-

جاں از خیال حسن تو ہمدوش آفتاب
یادت بدل چو نور در آغوش آفتاب *
در یاد خدا باش کہ کارے بہ ازیں نیست
ستیاحی دل کن کہ دیارے بہ ازیں نیست *
بے بہار خلق شہرت با ہنر دمساز نیست
نگہت گل بے شگفتن قابل پرواز نیست *
شب کہ در برم چمن ساز طرب آءادہ بود
دائے انگور قندیل چراغ بادہ برد *
فارغ از ہر دو جہاں بندۂ احسان توام
سر و آزادم و پابند گلستان توام *
خط دمید است ز لعل نمکینش عجب است
کز نمک زار نہ رست است گیاہے گاہے *

سنہ ۱۱۷۵ ہجری میں بمقام اورنگ آباد انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آزاد بلگرامی نے تاریخ رحلت کہی :-

موسوی خاں زلکٹ گوہر بار * آبرو داد شعر و اشعار
گفت تاریخ رحلتش آزاد * کرد جرأت وداع دنیا را

مولانا سید قمر الدین

سید قمر الدین نام - تخلص معلوم نہ ہوا - غالباً تخلص رکھا ہی نہیں -
فرزند سید مغیب اللہ - اورنگ آباد مولد - سنہ ۱۱۲۳ ہجری میں
پیدا ہوئے -

آپ کے آباے کرام خجد کے سادات سے تھے - ان میں سے ایک
صاحب ' سید ظہیر الدین نام سب سے پہلے خجد سے ہندوستانی
وارد ہوئے اور امین آباد مضافات لاہور میں سکونت اختیار کی - ان کے
پوتے سید محمد فرزند سید عنایت اللہ امین آباد سے دکن آئے اور
شیخ مظفر برہانپوری کے ہاتھ پر بیعت کی (شیخ مظفر شیعہ محمد
معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے
تھے اور طریقہ نقشبندیہ رکھتے تھے) اس طریقے میں آپ نے اتنی ترقی
کی کہ آپ کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے - اس نواح میں آکر آپ
بالاپور علاقہ برار میں مقیم ہوئے اور طالبان حق کی رہ نمائی فرمائی -
آپ نے سنہ ۱۱۱۷ ہجری میں وفات پائی - تاریخ وصال ' شمع
بہشت ' ہے -

۱۷ھ ۱۲

سید محمد صاحب کے فرزند سید مغیب اللہ صاحب ہیں -
آپ اپنے والد ماجد کے سجادہ نشین ہوئے اور بالاپور سے اورنگ آباد
منتقل ہو آئے اور وہیں سنہ ۱۱۶۱ھ میں انتقال فرمایا - تاریخ وفات
' متوجہ بہشت ' ہے -

۲۱ھ ۱۱

مولانا سید قمر الدین صاحب نے کم سنی ہی میں قرآن مجید
حفظ کیا اور علمائے اورنگ آباد کی خدمت میں دینی کتابیں پڑھیں -
اپنی خدا داد ذکاوت سے مختلف علوم خصوصاً حکمت و تصوف
میں بڑا کمال پیدا کیا - آپ کی تصنیف ' مظهر النور ' جو مسئلہ
واجب الوجود پر سنہ ۱۱۶۳ھ میں لکھی تھی ' آپ کے علم و کمال کی
شاہد ہے - زہد و تقویٰ اور معرفت الہی میں اپنے فضل و کمال سے کچھ

زیادہ ہی تھے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت رکھتے تھے۔

سنہ ۱۱۵۵ ہجری میں دہلی گئے اور وہاں کے علما و مشائخ سے ملاقات کی۔ چودہ مہینوں کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لئے سرہند گئے اور وہاں سے لاہور۔ ہر جگہ مشائخ و علما سے مل کر پھر دہلی آئے اور کچھ روز وہاں مقیم رہ کر اورنگ آباد واپس آ گئے۔ ۱۱۷۴ ہجری میں حرمین شریفین روانہ ہوئے۔ پہلے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے۔ پھر بیت اللہ شریف گئے اور حج سے مشرف ہوئے۔ مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ کے سربر آوردہ لوگوں نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ سنہ ۱۱۷۵ ھ میں اورنگ آباد مراجعت فرمائی۔

صاحب 'خزانۃ عامرہ' نے لکھا ہے کہ آپ کی طبیعت موزوں تھی۔ اس لئے کبھی کبھی شعر کہ لیا کرتے تھے۔ لیکن آپ کی شان شاعری سے بہت ارفع تھی۔

کلام کا نمونہ یہ ہے :-

لقمہٗ دوناں رساند در گلوے خویشتن

مشیت اول ہر کہ دست از آبروے خویشتن *

مشیت خاکم دست و دامان تو شد

گر نیفشانی فتد بر پلے تو *

دنیا زن است و طالب آن ہم نمونث است

زین وجہ روز مرد خدا در قفا کند *

آپ نے اپنے حج کی یہ تاریخ کہی :-

احرام حرم زہند بستم * گشتم ز طواف کعبہ مسرور

بخشید بمن ہزار نعمت * این خانہ ہمیشہ باد معمور

از دولت روضہ مقدس * دل یافت سرور و دیدہ ہا نور

حج مبرور سعی مشکور * وارن شدہ در دعالے ماثور

۱۱۷۴ ھ

گیرند اگر دوجیم تشدید * تاریخ شود دعالے مذکور

آپ کی رحلت کا سال معلوم نہوا - چونکہ حج سے فارغ ہوکر آپ سنہ ۱۱۷۵ ہجری میں اورنگ آباد واپس ہوئے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس (سنہ ۱۱۷۵ ہجری) تک زندہ تھے - یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان کا ذکر جرأت (المتوفی سنہ ۱۱۷۵ ھ) کے بعد کیا ہے -

صارم

صارم تخلص - میر عبد الحی نام - صہمام الدولہ، صہمام الملک خطاب - فرزند نواب صہمام الدولہ شہنواز خان شہید - اورنگ آباد مولد - سنہ ۱۱۴۲ ہجری سال تولد ہے -

ان کے والد نواب نظام الدولہ ناصر جنگ والی حیدر آباد دکن (سنہ ۱۱۶۱ تا سنہ ۱۱۶۴ ھ) کے دیوان تھے اور سنہ ۱۱۷۱ ہجری میں شہید ہوئے -

صارم نے فضائل عصر سے عربی اور فارسی تحصیل کی - پھر ملازم ہو گئے - سنہ ۱۱۶۲ ھ میں خطاب خانی اور منصب نیز صوبہ برار کی دیوانی عطا ہوئی - رفتہ رفتہ اورنگ آباد کی نظامت اور دولت آباد کی قلعہ داری پر سرفراز ہوئے اور صہمام الدولہ کا خطاب مرحمت ہوا - نواب میر نظام علی خان والی دکن (سنہ ۱۱۷۵ تا سنہ ۱۲۱۸ ھ) کے عہد میں خطاب صہمام الملک اور دکن کی دیوانی پائی -

صارم زبردست شاعر تھے - طبیعت میں مضمون آفرینی تھی - پہلے وقار تخلص کرتے تھے، بعد کو 'صارم' اختیار کیا - فارسی اور ہندی دونوں میں شعر کہتے تھے -

اُن کے چند فارسی اشعار یہ ہیں :-

بہ سیر باغ چو آن می پرست برخیزد

گل از چمن کدہ ساغر بدست برخیزد *

سخن بقدر ضرورت بود بزرگان را

کہ جز جواب نگردد صدا ز کوه بلند *

بر خاطر تو رازِ دو عالم شود عیاں
 پیش نگاہ تست اگر دور بینِ دل *
 بہ گلشنی کہ تو سرِ منشا طرب باشی
 چہ لازم است کہ چوں غنچہ بسقہ لب باشی *
 بہ انتظار تو آراستیم خانہ چشم
 چہ میشوں اگر آئی و چند شب باشی *

ہندی اشعار ملاحظہ ہوں :-

فلک گرتا، زمین پھٹتی، چمن سے رنگ اتر جاتا
 اگر میں اپنے دل کا حال اے ظالم بیان کرتا *
 سخن! تجھ زلف میں ہل مل رہا ہے
 ہمارے ہاتھ میں کب دل رہا ہے *
 نہیں کھلتا بہار و باغ سوں دل
 یہی عقدہ مجھے مشکل رہا ہے *

سنہ ۱۱۱۶ ہجری میں قلعہ کولاس کے اطراف میں انتقال کیا۔
 چند روز وہیں سپردِ خاک کئے گئے۔ بعد کو حیدر آباد دکن لے جا کر
 یاقوت پورہ کے باہر دفن کیا گیا۔ مہر غلام علی آزاد نے رحلت کی
 تاریخ کہی :-

افسوس کہ رفت امیر عالی گوہر
 دیوان رکن و صاحب فضل و ہنر *
 تاریخ وفات میں امیر دانا
 ’مصام الملک عقل گل کرد سفر‘ *
 سنہ ۱۱۱۶ ہجری

شفیق

شفیق تخلص - لچھمی ناراین نام - فرزند منسارام کہتری -
 اورنگ آباد مولد - سنہ ۱۱۵۸ھ سال ولادت - آپ کے دادا بھوانی داس
 عالمگیری لشکر کے ہمراہ دکن آئے اور اورنگ آباد میں قیام کر کے بذریعہ
 ملازمت عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کی -

شفیق کے والد مفسر اہم اپنے والد کے انتقال کے وقت دو برس کے تھے۔ ان کے ہم قوم لالہ جسونت راجہ ان کی پرورش اور تعلیم کے متکفل ہوئے۔ انہوں نے بڑی قابلیت پیدا کی۔ نواب آصف جاہ والی حیدر آباد کے عہد میں دکن کے چھ صوبوں کی صدارت کی پیشکاری پائی اور قریباً چالیس سال اس خدمت کے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیے۔ نواب مہم الدولہ شہنواز خاں وزیر دکن نے انہیں بڑا منصب عطا فرمایا۔

شفیق کو ہوش سنبھالتے ہی علم کا شوق پیدا ہوا۔ شروع سے آخر تک میر آزاد بلگرامی کے فیض جاری سے مستفیض ہوتے رہے۔ بہت اچھے شاعر تھے۔ کلام میں جستنی و فصاحت تھی۔ فارسی اور ریختہ دونوں میں شعر کہتے تھے۔ دونوں زبانوں کے دو ضخیم دیوان غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ تاریخ نویسی میں مہارت تامہ تھی۔ مآثر آصفی۔ مآثر حیدری وغیرہ ان کے تصانیف ہیں۔ شاعروں کے دو تذکرے لکھے۔ ایک ’گل رعنا‘ جس میں شعراء ہند کے حالات ہیں اور دوسرا ’شام غربیاں‘ جس میں ان شعراء ولایت کا ذکر ہے جو ہند میں وارد ہوئے۔

شفیق نواب عالی جاہ فرزند نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی (سنہ ۱۱۷۵ تا سنہ ۱۲۱۸ھ) کی سرکار میں ملازم تھے۔ منصب اور خطاب دولی چند سے بھی سرفراز تھے۔

کلام کا نمونہ یہ ہے :-

مصرع ابروے او بسم اللہ دیوان ما
 مصحف رخسارۂ او دین ما ایمان ما *
 بسکہ از گفتار مار پرندہ یاراں رنگتھا
 گردۂ صورت گول شہو صفحۂ دیوان ما *
 بر دل ما التفاتت هست چشم ہار را
 الفتتہ بسیار یا مینا بود می خوار را *

چشم او بر ما نگاہ گر ندارد عیب نیست
 می شود پرهیز لازم مردم بیمار را *
 گرچه ای دوست ندیدم چمن روے ترا
 دایم از باد صبا می شنوم بوے ترا *
 ہر کہ آن جا ہرود باز نگرود ہرگز
 ہست خاصیت گلزار ارم کوے ترا *
 بر زمین آمدہ از دور زمین بوس کند
 ماہ نوگر نگرند گوشہ ابروے ترا *
 سنبیل تازہ و تردودہ شود در چشمم
 گر نہ بینم بہ چمن سنبیل گیسوے ترا *
 خواہد از گوشہ چشمت نگہ لطف شفیع
 آرزوے بہ ازیں نیست دعا گوے ترا *
 شکست توبہ مارا بہار شد باعث
 ہزار بار نوے ہزار شد باعث *
 خدا گواہ کہ می را بہ لب نیا لودم
 برای مستی من چشم یار شد باعث *
 شفیع نے ۱۲۰۱ ہجری میں انتقال کیا۔

رفیع

رفیع تخلص، غلام رفاعی نام - محمد رفیع الدین عرف -
 فرزند محمد شمس الدین قادری دکنی - قندھار علاقہ دکن مولد -
 ۱۹ جمادی الاخری سنہ ۱۱۶۴ ہجری تاریخ ولادت ہے -

جناب رفیع نے ایک تذکرہ بنام 'انوار القندھار' لکھا ہے - اس میں
 اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ :- ”فقیر کے والد بزرگوار جو مرد صالح تھے
 ایک موقع پر حضرت حاجی ستیاچ سرور سعید الرفاعی قدس سرہ العزیز
 کی خانقاہ کی مسجد میں معتکف تھے - حضرت حاجی صاحب نے
 خواب میں ایک صحنک کھانے کی بھری ہوئی دی اور فرمایا کہ تمہارے

ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کو میرے نام سے موسوم کرنا۔ چنانچہ میں پیدا ہوا تو میرا نام والد نے غلام رفاعی رکھا اور عرف محمد رفیع الدین۔ غرض جناب رفیع نے اورنگ آباد میں حضرت قمر الدین رحمہ اللہ مذکور الصدر کی خدمت میں تمام علوم عقلی و نقلی حاصل کئے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ قدس سرہ کے مرید ہوئے اور آپ ہی سے خرقہ خلافت پایا۔ چند بار مرشد کی زیارت کے لئے نلور گئے اور آپ ہی کے حکم سے حرمین شریفین حاضر ہوئے اور متعدد حج کر کے قندھار واپس آگئے۔ اچھے شاعر تھے۔ یہ دو شعر آپ کے کلام کا نمونہ ہیں :-

ز روی لطف بکس بوسہ دادہ شاید

کہ ہمچو شبنم گل نقش بر دہن باقی است *

یار در بر دارم و مشتاق دیدارم ہنوز

محو از خود گشتہ ام محتاج تکرارم ہنوز *

سنہ ۱۲۴۱ ہجری میں بمقام قندھار وصال ہوا۔ آپ کے شاگرد ’والا‘ نے (جن کا حال اسی تذکرے میں ملے گا) تاریخ رحلت کہی :-

پیوستہ برحمت حق

۱۲۴۱ھ

جذب

جذب تخلص۔ میر اکرام علی نام۔ فرزند میر لطف اللہ خاں بہادر۔ حیدر آباد مولد۔ سال ولادت سنہ ۱۲۵۰ھ ہے۔

جذب، سید فتح اللہ بہادر عالم گیری کی اولاد میں سے تھے۔

سات ہی سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اپنے حقیقی ماموں محمد فخر الدین حیدر خاں کے زیر نگرانی پرورش پائی۔ عربی صرف و نحو اور فارسی کی چند درسی کتابیں میر تفضل حسین عطا سے پڑھیں۔ فارسی اور ہندی اشعار کی اصلاح بھی اُن ہی سے لیتے رہے۔ جناب شمس الدین فیض رحمہ اللہ سے اس فن میں فیض حاصل کیا۔

سنہ ۱۲۶۸ ہجری میں سیاحت کی غرض سے مدراس آئے اور چونکہ نواب غلام محمد غوث خاں بہادر نواب کرناٹکٹ (سنہ ۱۲۴۱ تا سنہ ۱۲۷۲ ہجری) کی والدہ محترمہ کے عزیزوں میں سے تھے، لہذا نواب موصوف کی سرکار میں بھی باریاب ہوئے۔ ذکی الطبع اور روشن دماغ تھے۔ کلام کا یہ نمونہ ہے :-

بہ جانلی از تب وقاب دلم بنوشته ام نامہ
 بجا باشد شود گر نامہ بر مرغ کباب این جا *
 دلم از ہر خم گیسوش بہ بند دگر است
 یک اسیر است گرفتار بہ زندانے چند *
 ماتم ای دل کہ برفت از کف من دامن یار
 ای جنوں مژدہ کہ دستم بہ گریبان آمد *
 نالہ بر داشت صد علم آنجا
 سپر انداخت ہر کجا محشر *
 ای چشم پُر آب در چہ فکری
 شد خانہ خراب در چہ فکری *

رباعی

افسوس کہ از وطن جدا افتادم
 زان سان کہ ز فردوس جدا شد آدم *
 آدم جو خوردہ ترک فردوس نمود
 من ترک وطن در طلب جو دادم *
 جذب کی تاریخ وفات معلوم نہوی -

فصل چہارم

وہ فارسی گو ایرانی شعرا جو دوسرے شہروں سے مدراس آئے

سخن

سخن تخلص - سید محمد نام - سید محمد خاں بہادر خطاب -
اصفہان وطن - سال ولادت معلوم نہ ہوا - سن شعور کو پہنچنے کے بعد
وطن سے میچھلی بندر اور وہاں سے مدراس آئے - مدتوں یہاں تجارت کرتے
رہے - پھر نواب امیر الامراء بہادر، فرزند دوم نواب والا جاہ فرمائرواے
کرناتک کے ملازم ہوئے اور خان کا خطاب پایا - نواب امیر الامراء کا
جب انتقال ہو گیا تو اُن کے بعد نواب والا جاہ کی سرکار سے بہادر کا
خطاب اور دیوان خانے کی داروغگی مرحمت ہوئی -

شاعری میں دستگاہ کامل رکھتے تھے - ایک چھوٹا سا دیوان
جس میں قصائد اور غزلیں ہیں، اپنی یادگار چھوڑا -

کلام کا نمونہ یہ ہے :-

بہ دل خارے ز عشق گلزارے کردہ ام پیدا

ازیں خوارے بہ عالم اعتبارے کردہ ام پیدا *

فصل بہار گل مرا بوی زیار می دہد

غنیچہ نشانے از لب لعل نگار می دہد *

شکوہ از دست تو ہر جانہ توانم کردن

زاری من بہ سر کوے تو دیدن دارد *

آنچہ خوں از غم ہجران تو خوردم عمرے

این زماں از مژہ آہنگت چکیدن دارد *

دست بر چاک گریباں زدی و دانستم

صبح امید من امروز دمیدن دارد *

سنہ ۱۲۱۶ ہجری میں وفات پائی -

وفا

وفا تخلص - مرزا حکیم عبد الباقي الشریف الرضوي نام - فرزند مرزا محمد شفیع خاں - اسلاف کا وطن عراق و خراسان و اصفہان - بغداد شریف مولد - سال ولادت سنہ ۱۲۰۴ ہجری ہے -

بتیس سال کی عمر تک اپنے والد سے تعلیم پاتے رہے - اُن کے انتقال کے بعد علم معقول اور طب حاصل کرنے کی غرض سے اصفہان پہنچے - وہاں جا کے اُن علوم کو حاصل کیا - نو برس کے بعد ایران کے بعض شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان آئے اور حیدر آباد میں سکونت اختیار کی - عرصہ دراز تک منیر الملک بہادر دیوان دکن کی صحبت میں عزت اور احترام کے ساتھ رہے - رفتہ رفتہ نواب ناصر الدولہ بہادر والی دکن (سنہ ۱۲۴۴ تا سنہ ۱۲۷۳ ہ) کے دربار میں باریاب ہو کر مصاحب اور طبیب سرکار مقرر ہوئے - سنہ ۱۲۴۷ ہجری میں مدراس پہنچے اور یہاں مقیم ہو گئے - پھر سرکار انگریزی کے ایجنٹ کے میر منشی ہوئے اور خوب شہرت پائی - ایک مرتبہ اپنے محکمے کے لوگوں سے اُن بن ہو گئے تو استعفاء دیا - مگر اُن کی کاردانی اور حسن خدمات کی وجہ سے منظور نہ ہوا -

فن خطاطی میں وفا کو ید طولیٰ حاصل تھا - خوشنویس ہفت قلم کہلاتے تھے -

جب ایران میں تھے تو محمد کاظم والہ اور فتح علی خان صبا ملک الشعری ایران سے شاعری خصوصاً قصیدہ گوئی میں اصلاح لی - نواب غلام محمد غوث خاں بہادر اعظم نواب کرفاکٹ (سنہ ۱۲۴۱ تا سنہ ۱۲۷۲ ہجری) نے بزم مشاعرہ بنام 'مشاعرۃ اعظم' ترتیب دی تو اُس کے رکن بھی رہے اور طرحی و غیر طرحی غزل خوب کہتے تھے -

اُن کے کلام کا نمونہ یہ ہے :-

خورشید را بہ حسن تو سنجیدہ ایم صبح
دیدیم چوں ستارۃ مقرون آفتاب *

چو مرغے کز قفس بپند بحسرت آشیان خود
ز چاک سینه دارد دل نظر بر زلف جانانش *

ز وصل یار جدا اوفتاده ۛی کریم
سر نیاز بہ ہر در نہادہ می کریم *

ہر نکتہ کہ بود نہاں در دلم ز عشق
یک یک سر شک بر رخ من جستہ جستہ گفت *

وفا کا سال انتقال معلوم نہوا - البتہ 'گلزار اعظم' کی تالیف کے وقت
یعنی سنہ ۱۲۶۹ ہجری تک زندہ تھے -

فصل پنجم

فارسی گو ہندوستانی شعرا جو دوسرے شہروں سے کرائی گئے تھے۔

قربانی

قربانی تخلص - سید شاہ ابوالحسن نام - فرزند حضرت
سید عبد الطیف نقوی قدس سرہما - بیجاپور مولد - سال ولادت
سنہ ۱۱۱۷ھ -

قربانی چار سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ سفر کے لئے
نکلے - شانور میں دو سال اور ارکات میں چھ سال قیام رہا - پھر رونق
افروز ویلور ہوئے اور وہیں سکونت اختیار فرمائی -

فارسی کتابیں محمد حسین صاحب بیجاپوری سے، کتب تصوف
مثلاً مخزن اسرار و مثنوی شریف، محمد فخر الدین نایطی سے اور عربی
صرف و نحو محمد سائی صاحب سے پڑھیں - ذہن کی رسائی اور کثرت
مطالعہ کی برکت سے تصوف کی معتبر کتب، مثلاً فتوح الغیب،
فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم وغیرہ پر قادر ہو گئے - عربی نثر نہایت
 فصاحت و بلاغت کے ساتھ لکھتے تھے - اس پر آپ کے چند خطبات
جمعہ شہاد ہیں - جناب مولانا باقر آگاہ نے اپنی کتاب ”تحفۃ الاحسن
فی مناقب السید ابی الحسن“ میں ان خطبوں کا ذکر آپ کے حالات
و کرامات کے ضمن میں کیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پہلے
محمد فخر الدین نایطی کے ہاتھ پر بیعت کی اور طریقہ قادریہ میں اُن ہی
سے خرقہ خلافت حاصل کیا - اس کے بعد تمام سلسلوں میں سید
علی محمد قدس سرہ سے اجازت بیعت پائی - اس کے بعد جناب
خواجہ رحمت اللہ رحمہ اللہ سے سلسلہ ہائے قادریہ و نقشبندیہ و چشتیہ
و رفاعیہ کی اجازت بھی ملی - شیخ محمد مخدوم ساوی قدس سرہ
سے بھی انکار و اشغال کی اجازت تھی - مختصر یہ ہے کہ آپ مرشد
اور عارف کامل تھے - ہزاروں طالبان حق آپ کی ہدایت سے راہ مستقیم
پر پہنچ گئے -

طبیعت خوب موزوں تھی - کبھی کبھی فارسی غزل ' قصیدہ اور
مثنوی کہتے تھے اور ان میں حقایق و معارف کے مضامین باندھتے تھے -

ذیل کے اشعار تبرکاً درج ہیں :-

ای آہ برق سیرم بگذر زہرزہ گردی
از حال دل خبردہ یک بار جان مارا *
ز زلف او پس از چندیں شب تار
بدست خویش تارے دارم امشب *
قربی حشم آہ تو با نالہ رواں شد
رسم است کہ ہر قافلہ بے جرے نیست *
نیست فتورہ ای پری پیکر
آب بر خاست بہر تفتیمت *

آپ سنہ ۱۱۸۳ ہجری میں بمقام ویلور واصل معبود ہوئے اور وہیں
سپرد خاک کئے گئے - آپ کے مرید مولانا آگاہ نے ذیل کا قطعہ تاریخ کہا :-

بوالحسن آنکہ از نم فیضش
چمن دیں چو باغ خلد شکفت *
قرطہ گوش عرشیاں گردید
آں گہرہا کہ در معارف رفت *
با نہانش عیاں نکرده ظہور
با عیانش نہاں نمائد نہفت *
از پئے واردان مشہد غیب
خس و خاشاک غیر از دل رفت *
کرد زین طاق تنگ عزم رحیل
تا شود پا جہاں مطلق جفت *
در حریم بقا بہ شاہد قدس
دوش بردوش شاد و خندان خفت *
بود جان جہاں ' ازیں معنی
از سفر کردنش جہاں آشفٹ *

فکر تاریخ رحلتش کردم
 'غاب قطب البلاد' ہاتف گفت *
 ۱۱۸۲ ہجری

محفوظ

محفوظ تخلص - محمد محفوظ خاں نام - شہامت جنگ بہادر
 خطاب - فرزند دویم نواب سراج الدولہ انور الدین خاں بہادر شہید -
 گویامٹو (اودہ) مولد - سال ولادت معلوم نہ ہوا -

اپنے زمانے کے مشہور علما و فضلا سے فارسی اور عربی پڑھی - علوم
 عقلیہ و نقلیہ میں خاصی مہارت تھی - طالب علموں کو ہمیشہ
 اپنے خوان علم سے فیض یاب فرمایا کرتے تھے - بڑے متقی اور متشرع
 تھے - آپ کے وفور علم کا ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک روز اورنگ آباد
 میں نواب آصف جاہ والی حیدر آباد (سنہ ۱۱۳۷ تا سنہ ۱۱۶۱ ہجری)
 کے دربار میں علما حاضر تھے - مولوی قمر الدین المخاطب بہ سلطان العلماء
 صدر بھی موجود تھے - محمد محفوظ خاں بہادر مع اپنے والد کے حاضر تھے -
 اتفاقاً کسی مشکل فقہی مسئلے کے متعلق استفسار کیا گیا - تمام علما
 جواب شافی دینے سے قاصر رہے - آپ کے والد نے اپنے فرزند کے اصرار پر
 بندگان عالی کے حضور میں عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو فدوی زادہ
 اس مسئلے پر کچھ عرض کرے - سب کو حیرت ہوئی کہ جب سب کے
 سب علما اس مسئلے میں عاجز رہے تو ایک طالب علم کیا کہہ سکے گا؟
 اجازت مل گئی تو محفوظ خاں نے بڑی صراحت کے ساتھ تقریر کر کے مسئلے
 کو حل کر دیا - علما نے تعریف کی - نواب آصف جاہ نے محظوظ ہو کر
 فرمایا کہ 'اس وقت جو مانگو عطا کیا جائیگا' - محفوظ نے برجستہ
 عرض کیا کہ 'دینی خدمت کے مقابلے میں فدوی کو دنیوی فائدہ مد نظر
 نہیں ہے - مگر فرمان والا کی تعمیل بھی فدوی پر فرض ہے' لہذا استدعا ہے
 کہ فدوی کو سرکاری کتب خانے سے جو پسند کروں کتابیں عطا فرمادی
 جائیں، فوراً داروغہ کتب خانہ کو حکم دیا گیا کہ محفوظ کو دو ہزار
 کتابیں ان کے پسند کی دے دی جائیں -

سنہ ۱۱۶۱ ہجری میں نواب انور الدین خان بہادر شہید ہوئے تو آپ کے فرزند سویم نواب والاجاہ کو نواب ناصر جنگت والی دکن (سنہ ۱۱۶۱ تا سنہ ۱۱۶۴ ہجری) خلف نواب آصف جاہ کی سرکار سے آبائی منصب، جاگیر، خطاب اور ارکات کی حکومت ملی۔ محفوظ اپنے بھائی نواب والاجاہ کے ہمراہ کرناٹک آئے اور مدراس میں سکونت اختیار کی۔ نواب موصوف نے آپ کو ترناولی کا ناظم مقرر فرمایا۔ برسوں اس خدمت پر مامور رہے۔

نثر میں آپ کی یادگار ایک کتاب موسومہ 'قرۃ العینین فی فضائل رسول الثقلین' ہے۔

آپ کے اشعار میں سلاست اور لطافت ہوتی تھی، جیسا کہ کلام ذیل سے معلوم ہوگا:-

کرد عکس رخ ملیح کسے
نمکے در شراب من امشب *
زینت ما از گداز دل بود مانند شمع
کرسر شک خویشتن عقد گہر پوشیم ما *
خسرو اقلیم عشقم، افسرم از گل کنید
گوهر تاجم ز اشک دیدہ بلبل کنید *
ہر نقا بد دوش جانم خلعت زیبای زہد
تار و پود کسوت عشقم، ز موج مل کنید *
ہزار شکر کہ در دل نشست ہمچو خدنگ
اگرچہ تیر نگاہ تو آسمانی بود *
کنارہ گیر بہ پیری ز وصل مہ رویاں
کہ پردہ دار حریفان شب جوانی بود *

سنہ ۱۱۹۳ ہجری میں دارالبقا کا راستہ لیا۔ نواب والاجاہ نے آپ کی وصیت کے موافق آپ کی نعش حیدر آباد بھیج دی اور وہاں اپنے والد نواب انور الدین خاں شہید کے پہلو میں سپرد خاک کردئے گئے۔

تجمل

تجمل تخلص - عظیم الدین خاں نام - لکھنؤ مولد - والد کا نام اور سال ولادت معلوم نہوے -

اپنے وطن میں علم حاصل کیا - سنہ ۱۲۱۲ ہجری میں مدراس آئے اور علوم تفسیر و اصول فقہ و حدیث جناب ملک العلماء بحر العلوم علامہ عبد العالی قدس سرہ سے حاصل کئے - علم طب میں بھی اچھی دسترس رکھتے تھے - کچھ دنوں حکومت کی طرف سے ترجناپلی کے علاقے میں مفتی بھی رہے -

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

بسکہ لبریز انا الحق بود اندیشہ ما

خون منصور تراود ز رگ ریشہ ما

دل تہ خاک می تپد ہم نفساں خدای را

تا بہ مزارم آورید آن مہ دلربای را *

بہ سبزه نقوش رفته دل خدا حافظ

شب است تیرہ ورہ تنگ و چاہ درپیش است *

خواہم کہ سانی پیش من جام می ناب آورد

ز آن پیش کین صبح اجل در دیدہ ام خواب آورد *

سنہ ۱۲۳۰ ہجری میں انتقال کیا - مصطفیٰ علی خاں خوشدل نے

(جن کا ذکر اس تذکرے میں ہے) 'تجمل از جہاں رفت' تاریخ

رحمت کہی - ۱۲۳۰ ہجری

جودت

جودت تخلص - غلام حسین نام - فرزند محمد یار خاں نایبی -

مولد اور سال ولادت معلوم نہوا - ترجناپلی میں سکونت پذیر تھے -

اکثر اساتذہ سے تحصیل علم کیا -

اخیر عمر میں اہل دنیا کے لباس کو ترک کر کے جاہ پرستوں کی

صحبت سے کنارہ کش ہو گئے تھے - ذہن و ذکاوت میں مشہور تھے -

کلام کا نمونہ یہ ہے :-

بسکہ از نازک مزاجی بے دماغم کردہ اند
 می برد از خویش موج چین پیشانی مرا *
 گریہ ام از دلم کدورت برد
 آب پاشیدم و غبار نشست *
 ناله ام فاختہ سر و قبا پوش کیسے
 داغ دل آئینہ حسرت آغوش کیسے *
 جودت از شوخی تقریر خجالت دارم
 نکتہ یافته ام از لب خاموش کیسے *
 سنہ ۱۲۳۳ ہجری میں وفات پائی -

امین

امین تخلص - شیع محمد امین نام - وطن اور سال ولادت معلوم نہوے -

مرزا بیدل کے شاگرد تھے - سنہ ۱۱۲۱ ہجری میں ہندوستان سے ارکات پہنچے - رای دکنی رام دیوان کی وساطت سے نواب سعادت اللہ خاں بہادر کی خدمت میں عزت باریابی حاصل ہوئی - نواب موصوف نے بڑے مشاہرے پر دارالانشا میں خدمت عطا فرمائی اور اپنی مصاحبت کی بھی عزت بخشی - امین کو رائے دکنی رام اور ان کے فرزند رائے بدھ چند سے زیادہ خلوص تھا - حقیقت یہ ہے کہ امین نظم سے نثر اچھی لکھتے تھے - چنانچہ فن انشا میں دو کتابیں ایک 'گلشن سعادت' اور دوسری 'مجمع الانشا' تالیف کیں - ایک دیوان بھی اپنی یادگار چھوڑا -

چند اشعار یہ ہیں :-

ای امین بسکہ گنہ دوست برد رحمت دوست
 گرز عصیاں گزری عین گناہست این جا *
 نجات ہر کرا چوں مہر با رفعت قرین باشد
 اگر ہر چرخ چارم رفت چشمش بر زمیں باشد *

انوار

انوار تخلص - حافظ شاہ انوار الحق نقشبندی نام - فرزند نور الحق
گوپاموی - گوپامو مولد - سال ولادت سنہ ۱۲۰۱ ہجری -

نواب والاجہ، جنت آرام گا، فرماں روئے کرناٹک (سنہ ۱۱۶۴ تا
سنہ ۱۲۱۰ ہجری) کے بنی اعمام کی اولاد سے ہیں -

سین شعور کو پہنچنے کے بعد انوار علم سے منور ہوئے اور مولوی شاہ
عبدالرحمن خلیفہ حضرت مرزا جان جاناں قدس اسرارہما سے خلافت
پائی - ہمیشہ ذکر و شغل میں مصروف رہتے تھے - بارہا اپنے وطن سے
مدراس تشریف لائے اور ہر مرتبہ عرصہ دراز تک مقیم رہے -

طبیعت بہت موزوں تھی - شعر اچھے نکالتے تھے - یوں ہی ایک
چھوٹا سا دیوان مرتب ہو گیا -

کلام کا نمونہ یہ ہے :-

رفتم از خود بدوست پیوستم
مرگت یا بد کجا نشان مرا *
در شوق تو گہ نالہ کند گاہ خموشد
چوں ساعت مصنوع فرنگ است دل ما
بہ پیریم چو زلیخا رسانده بود فراق
بہ مژدہاے وصال تو نو جوان کردند *
چو خورشید ہر چند باشی بہ پیشم
چہ سازم کہ من تاب دیدن ندارم *

فصل ششم

فارسی گو ہندوستانی شعرا جو دوسرے شہروں سے مدراس آئے -

حاجی

حاجی تخلص - عبد الہادی نام - فرزند حکیم عبد الکریم خان
نقوی - وطن اور سال ولادت معلوم نہوا -
حج سے مشرف ہونے کے بعد اپنا تخلص 'حاجی' رکھا - اس مبارک
سفر سے واپس ہو کر مدراس پہنچے اور یہیں توطن اختیار کیا -
اس سے زیادہ ان کے حالات کا پتا نہیں چلتا اور یہ بھی نہ معلوم
ہو سکا کہ حج سے پہلے کیا تخلص تھا -
کلام کا نمونہ یہ ہے :-

لالہ ساں ہر دو بہم دوختہ خیاط ازل
کسوت ماتمی و پیرہن شادی ما *
گرہ کار فنا بود سر ہستی ما
حلّ این عقدہ بجز ناخن شمشیر نہ شد *
نہ پنداری بہ غفلت ہم ز کار خویش بیکارم
کہ من در عین مستی ہچو چشم یار ہشیارم *
'نتایج الافکار' سے حاجی کی وفات کا سنہ ۱۲۰۰ ہجری معلوم
ہوتا ہے -

گوہر

گوہر تخلص - محمد باقر خان نام - فرزند نور الدین علی خان -
وطن اور سال پیدائش معلوم نہ ہوا - عمائد اہل نواٹ میں سے تھے -
نواب والا جاہ فرمان رولے کرناٹک (سنہ ۱۱۶۴ تا سنہ ۱۲۱۰ ہجری) کے
دربار میں ان کی بڑی آؤ بہکت ہوتی تھی - ایک دفعہ گوہر نے نواب
موصوف کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا اور اُس میں جاگیر

کی استدعا کی۔ فتیاض نواب نے از راہ قدر افزائی کاوری پاک کے علاقے میں ایک موضع عطا فرمایا۔

نواب حیدر علی خاں فرماں رواے میسور کے زمانے میں گوہر نلور کی فوجداری پر مامور تھے۔ تھوڑی مدت بعد معزول ہو کر مدراس آئے۔ ان کے چند اشعار یہ ہیں:-

آشفته جلوه ات اداھا

سر گشتہ قامتت بلاھا *

ہمیشہ زخم دلم لب بہ خندہ وادارد

کہ ناوک تو بہ دل الفت رسا دارد *

چہ طرفہ رسم در اقلیم بے نیازی ہاست

کہ شاہ بر در درویش القبا دارد *

آوارۂ عروج و نزولم براۂ دوست

چوں گرد باد سر بہ ہوا سینہ بر زمیں *

معزولی کے بعد مدراس آنے کے چند ماہ کے اندر بقول ’تذکرۂ محبوب الزمن‘ سنہ ۱۲۰۰ ہجری میں انتقال کیا اور آقا مقیم کی مسجد واقع میلاپور کے احاطے میں دفن ہوئے۔

مہربان

مہربان تخلص - سید عبد القادر نام - فرزند مولوی سید محمد شریف المخاطب بہ شریف الدین خاں - اورنگ آباد مرلد - سال ولادت میں اختلاف ہے - ’گلزار اعظم‘ میں سنہ ۱۱۴۳ ہجری لکھا ہے - مؤلف ’محبوب الزمن‘ لکھتے ہیں کہ ”مہربان کی ولادت سنہ ۱۱۵۱ ہجری میں ہوئی - تاریخ ولادت ’ولادت عبد القادر مہربان‘ ہے - بعض اصحاب نے جو سنہ ۱۱۴۳ ہجری لکھا ہے لا اصل ہے، کیونکہ خود مہربان نے اپنی تالیف میں سنہ ۱۱۵۲ ہجری بیان کیا ہے“ -

ہمارے نزدیک ’محبوب الزمن‘ کا قول معتبر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ان کے مندرجہ بالا دلائل بہت قوی ہیں -

اپنی والدہ محترمہ کے فیض سے سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا اور نو برس کی عمر میں حفظ کر لیا۔ مولوی فخر الدین نایبی اور شیعہ الاسلام خاں سے فارسی اور عربی پڑھی اور حدیث شریف میر غلام علی صاحب آزاد مرحوم سے۔

پہلے اپنے ماموں مولوی فخر الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور خرقة خلافت پایا۔ اس کے بعد سید شاہ فخر الدین ترمذی اورنگ آبادی کی صحبت میں حقایق و معارف تصوف حاصل کئے۔ چنانچہ تصوف میں سبحات - اصل الاصول - کحل الجواهر اور مفاتیح المعارف آپ کی تصنیف ہیں۔ مدت العمر شریعت اور طریقت کی تعلیم دیتے رہے۔ آپ کے سیکڑوں مرید تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد روضہ خلد آباد کے قاضی مقرر ہوئے اور تین سال تک اس خدمت کے فرائض خوب ادا کئے۔ نواب والاچاہ فرماں رواے کرناٹک نے آپ کو مدراس بلالیا بڑی قدر و منزلت کی اور جاگیر بھی مرحمت فرمائی۔ دوران قیام مدراس میں آپ میلاپور میں سکونت پذیر رہے۔

فن شعر میں آپ کو میر غلام علی آزاد سے تلمذ تھا۔ اُن ہی نے آپ کا تخلص مہربان قرار دیا۔ مگر اس سے آپ چندان خوش نہ تھے۔ آخر فخری تخلص اختیار کیا۔

چند اشعار یہ ہیں :-

خلل در فضل احمد کے ز تقدیم رسل آید
کہ موسم آخر ہنگام باران است نیساں را *
در و دیوار فیض صبح را مانع نمی گردد
فروغ افتد بروں از پردہ نور حسن کامل را *
زیر گردوں گریکے شاد است می سوزد دگر
عید بلبل گشت صبح و مرگ شد پروانہ را *
ہمدم دیرینہ می باشد موافق با مزاج
در سیوی کہنہ طبعی آب می ماند بجا *

معالم دل بیمار نرگس یار است
 کجا امید شفا خود طبیب بیمار است *
 قاصد از تفصیل پیغامش دل ما شاد کن
 خندۀ داری باب چیزے مگر فرمودہ است *
 باز گشت کفر و دین آخر بسوی وحدت است
 ہر دو دست آید بہم اما ظہور یک صداست *
 مرد را باشد خطر چون عزتش برتر شود
 خالی از سفتن نباشد قطرہ چون گوہر شود *
 سنہ ۱۲۰۳ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔ مولانا آگاہ نے یہ تاریخ
 رحلت کہی :-

فخری کہ در مشایخ دوران عدیل او
 ہرگز نکرد جلوہ در آئینہ شہود *
 از سرد مہری تن افسردہ گشتہ تنگ
 در سیر اوج جاں پر پرواز وا کشود *
 بدم بفکر رحلت او کز صبر کلک
 خورد این فغان بگوش دلم ” لا نظیر بود“
 ۱۲۰۳ ہجری

یکدل

یکدل تخلص - میر علی مردان نام - فرزند سید محمد موسوی والہ -
 حیدر آباد مولد۔ سال ولادت معلوم نہوا۔ فارسی اور عربی اپنے والد سے
 پڑھی۔ نواب حیدر علی خاں والی میسور کے عہد میں بالا گہات گئے۔
 وہاں اُن کی خوب خاطر داشت ہوئی۔ وہیں ملازم ہو گئے۔ چونکہ
 یکدل نواب والا جاہ جنت آرام گاہ کے محل خاص کے عزیز تھے، اس لئے
 نواب موصوف نے ان کو پایاں گہات طلب فرما کر اپنے فرزند سیف الملک
 بہادر مختار کی معلمی کی خدمت عطا فرمائی۔

یکدل نے اپنے قصائد و غزلیات کا دیوان مرتب کیا - اُن کے کلام کا یہ نمونہ ہے :-

کے بہ مہد چشم آساید ز بے تابي ہجر
 طفل اشکم از ازل با دامنم خو کردہ است *
 گر خضر قصہ از سر زلف تو سر کند
 تا روز حشر نیز بہ پایاں نمی رسد *
 کے تواں دید بسوے دگرے کز ہجرش
 موج اشکم شدہ زنجیر بہ پایے نگہم *
 یکدل نے سنہ ۱۲۰۶ ہجری میں وفات پائی -

خلوص

خلوص تخلص - سید محمد چشتی نام - فرزند خواجہ حسن چشتی - اودگیر مولد - سنہ ۱۱۸۶ ہجری سال ولادت - وطن میں اپنے والد ہی سے چند درسی کتابیں پڑھ کر مدراس پہنچے - باقی کتابیں جناب مولوی سید شاہ عبدالقادر مہربان و فخری قدس سرہ کی خدمت میں ختم کیں - فن شعر میں بھی آپ ہی سے تلمذ تھا - عربی میں چونکہ کافی استعداد نہ تھی، میر آزاد بلگرامی کے چند قصائد پڑھ کر اُس زبان میں بھی نظم و نثر لکھنے کی قدرت پیدا کر لی - نہایت ذہین تھے - طبیعت میں بلا کی تیزی تھی -

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے :-

من و صد آہ و افغان و نئے و صد بوسے لعش
 ہزاراں پیچ و تابم داد این قلیاں کشید نہا *
 بے لخت دل نگشت رواں سیل اشک من
 افگندہ ام خلوص بہ دریا سفینہ *
 خواہم ہمہ تن محو سرا پایے تو باشم
 چشمے شوم و وقف تماشاے تو باشم *

نمودی ذبح و شد سنجاف تو رنگین ز خون من
 ہمیں بود آرزوی دل کہ دامان تو نگذارم *
 غمزہ ات با دل پر خون سروکارے دارد
 کے ہراساں است بلے مرد سپاہی از خون *
 آخر از سفلہ شود ہمت دونی ظاہر
 خشک چوں گشت نمایاں است سیامی از خون *
 'خلوص' ملک جہاں خاں (عرف دھونڈیہ) کے ہم عصر ہیں۔
 انہوں نے محض اسلام کی حمایت کے خیال سے اپنے بڑے بھائی کے
 ساتھ سنہ ۱۲۱۵ ہجری میں شریعت شہادت نوش کیا۔

خرد

خرد تخلص - مکھن لال نام - راجہ مکھن لال بہادر خطاب - فرزند
 راء دولت رام منشی - ونکت گری مولد - سنہ ۱۱۷۷ھ سال ولادت -
 سن شعور کو پہنچنے کے بعد اپنی شادی کی تقریب سے
 حیدر آباد گئے اور وہاں کے اساتذہ سے فارسی کی درسی کتابیں پڑھیں -
 سیاق، ہیئت، نجوم اور ہندسہ میں بھی لیاقت پیدا کی - وہیں
 خوش نویسی اور شاعری کی مشق کی - پھر حسب الطلب نواب
 امیر الامرا (فرزند دوم نواب والاجہ جنت آرام گاہ) مدراس آئے اور
 نواب والاجہ کے ملازمین کے زمرے میں داخل ہوئے - شدہ شدہ راء کا
 خطاب اور منشی گری کی خدمت پر فایز ہوئے - نواب عظیم الدولہ
 بہادر نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۱۲ تا سنہ ۱۲۳۴ ہجری) کے عہد میں
 راجہ بہادر کا خطاب ملا -

خرد نے ملک العلما مولانا عبد العلی اور مولوی شرف الملک بہادر
 رحمہما اللہ سے شرح ملا جامی تک پڑھی -

اشعار کا نمونہ یہ ہے :-

دو نیم کرد دل عاشقان حیران را
 نمود معجزہ حسن آشکار انگشت *

حشر شورے است کہ از سیئۂ نالں برخاست
 بحر موجے است کہ از دیدۂ گریاں برخاست *
 گر سحر مست بگلشن گزری از سر ناز
 گل ز حسرت بزمیں بر فکند ساغر ناز *
 علم تعریف شد از گردش چشمت پیدا
 فنۂ دہر بود مشتق ازین مصدر ناز *
 خال ابروے تو در اوج بکیواں ماند
 طرفہ جاکرد بہ بیت شرف این اختر ناز *
 زلف و ابرو و نگہ تیر و کمند است و کماں
 می سزد مملکت حسن ترا قیصر ناز *

فن تاریخ گوئی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ چنانچہ مسجد و الاجاہی
 واقع ترمکھزی مدراس کی بنا کی یہ بے نظیر تاریخیں کہیں :-
 امیر الہند و الاجاہ فرمود * بنا این مسجد فرخندہ منظر
 ز دل از بہر تاریخ بنایش * ندا آمد کہ ”ذکر اللہ اکبر“
 ۱۲۰۹ ہجری

ساخت طاعت گاہ اسلام شدہ دیں پرور
 آنکہ فرماں بر او ہست زمہ تا ماہی *
 سال تاریخ بنایش بخرد ہاتف گفت
 نام فرخندۂ وی مسجد و الاجاہی *
 ۱۰ ہجری ۱۲

خرد کے انتقال کا سال معلوم نہوا۔ اتنا تو یقین ہے کہ آپ
 سنہ ۱۲۱۱ ہجری تک زندہ تھے، کیونکہ اسی سال نواب عظیم الدولہ بہادر
 مسند نشین ہوئے تھے اور ان کے عہد میں ’خرد‘ کو راجہ بہادر کا
 خطاب ملا ہے۔

آشکار

آشکار تخلص - محمد عبد اللہ خاں نام - قادر نواز خاں بہادر
 بہرام جنگ خطاب - فرزند قاضی شیع محمد تلمسانی - نجیب آباد
 ضلع بجنور واقع صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ مولد - سال تولد معلوم نہوا۔

کم سنی ہی میں اپنے والد کے ہمراہ مدراس آگئے۔ یہاں کے اساتذہ سے درسی کتابیں پڑھیں۔ قسمت کی یاوری سے نواب والاجہ جنت آرام گاہ فرماں رواے کرناتک کی سرکار میں ملازم ہو گئے اور خان بہادر خطاب پایا۔ نواب عمدۃ الامرا بہادر فرماں رواے کرناتک (سنہ ۱۲۱۰ تا سنہ ۱۲۱۶ ہجری) کے عہد میں بہرام جنگ کا خطاب اور جاگیر مرحمت ہوئی۔

چونکہ طبیعت کو شاعری سے مناسبت تھی، شعر خوب کہتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

من شیفتہ جذبہ مستانہ خویشم
چوں آئینہ حیران پری خانہ خویشم *
دل باختگال را خبر از ہر دو جہاں نیست
از بسکہ شدم محو تو دیوانہ خویشم *
کے وار ہم از قید محبت کہ چو مہجنوں
خون جلوہ لیلیم و دیوانہ خویشم *
واعظ جہ دہی درد سرم این ہمہ از وعظ
خاموش کہ من گوش ہر افسانہ خویشم *
تالعمہ حسنش ز دلم نور فشان است
شمع شب یلدا یم و پروانہ خویشم *
سنہ ۱۲۱۹ ہجری میں راہی ملک بقا ہوئے۔

طالب

طالب تخلص - شاہ وجیہ اللہ نام - فرزند محمد حبیب اللہ - عظیم آباد مولد - سال ولادت معلوم نہوا - ان کے والد بڑے تاجروں میں سے تھے - ان ہی سے علم حاصل کیا - اس سے فارغ ہو کر حضرت شاہ منعم دہلوی قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت کی - والد کے انتقال کے بعد اپنا مال و اسباب اللہ کی راہ میں صرف کر کے حرمین شریفین جانے کے قصد سے مدراس آئے - کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ

بارہ برس تک یہیں قیام کرنا پڑا۔ پھر کہیں جا کر یہ سفر مبارک
پیش آیا۔ سچ وزیارت سے مشرف ہو کر ترجناپلی پہنچے۔ چند روز
وہاں ٹھہر کر دوبارہ حجاز گئے اور وہیں سکونت گزیں ہوئے۔ نواب
عظیم الدولہ بہادر نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۱۶ تا سنہ ۱۲۳۴ ہجری) نے
آپ کو واپس بلا کر اپنے فرزند ارجمند نواب اعظم جاہ بہادر نواب کرناٹک
(سنہ ۱۲۳۴ تا سنہ ۱۲۴۱ ہجری) کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا۔ آپ
عالی فکر شاعر تھے جیسا کہ ذیل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے :-

بیہودہ بہ سیر گل و گلزار مگر دید

در گلشن دل باغ و بہار است بہ بینید *

بے فائدہ در گلشن گیتی نبود ہمچ

ہر سبزه دریں باغ بکار است بہ بینید *

دست از خدا مساز نگاریں نگار من!

آتش مزین بجان و دل بیقرار من *

بے اختیار می کشدم دل بسوی تو

در عشق تو کجاست بہ کف اختیار من *

طالعہ) نے سنہ ۱۲۲۹ ہجری میں انتقال کیا۔

اظفری

اظفری تخلص - محمد ظہیر الدین میرزا علی بخت نام - فرزند
میرزا محمد ولی بیگ - دہلی مولد - سال ولادت معلوم نہوا -
آپ کے والد شہنشاہ عالم گیر (سنہ ۱۰۶۹ تا سنہ ۱۱۱۸ ہجری) کی
پوتی عفت آرا بیگم کے پوتے تھے۔

سنہ ۱۲۱۲ ہجری میں دہلی سے فائز مدراس ہوئے اور یہیں
سکونت اختیار کی۔ نواب عمدۃ الامراہ بہادر اور نواب عظیم الدولہ
بہادر، اظفری کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ جب کبھی دارالامارہ میں
آتے تو دروازے تک استقبال کرتے تھے اور اپنی مسند پر بٹھا کر خود ان کے
پہلو میں بیٹھتے تھے۔

اظفري علاوه فارسي و ريخته کے ترکي خوب جانتے تھے - فارسي اور
ريخته دونوں میں شعر کہتے تھے -

(۱) لغات ترکي جغتائي (۲) محبوب القلوب اور تنگري تاري
(ترکي اور ہندي لغت کا مجموعہ) (۳) سناحت اظفري (۴) واقعات
اظفري (۵) رسالہ عروض و قافیہ (۶) دیوان اشعار ہندي - آپ کی
یادگار ہیں ! -

اُن کے فارسي اشعار کا نمونہ یہ ہے :-

اظفري نيست داغ سينہ ما

اين چراغ است بر دفينہ ما *

گرہ عزم سفر آں يار ز جا بر خيزد

لشکر دل شد گان ہم بہ قفا بر خيزد *

برقع از ماہ رخ خويش مي فکن چندے

نيک داني کہ دران فتنہ چہا بر خيزد *

شود خورشيد چوں طالع من ازروي تو انديشم

ہلالم گر نظر آيد ز ابروي تو انديشم *

اردو اشعار کا نمونہ یہ ہے :-

شکر و حمد ايزدي آرايش عنوان ہوا

نعت و وصف احمدی ديباچہ ديوان ہوا *

یہ شاعر راست شاگرد خدا ہیں

کہا ہے شعر میں راز نہاں کو *

تمہارا اظفري ہے شعر کچھ بھی

زیادہ لن تراني اب نہ ہانکو *

باغ کیا جس میں کہ برگ و ثمر و تاک نہیں

جس زمیں میں نہیں یہ چھاؤں وہاں خاک نہیں *

مار کر قہر سے، کر لطف جلا لیتا ہے

ہے مسیحا بھی مرا یار وہ سفاک نہیں *

يارو هه اظفري اردو كي زباں كا وارث
 اهل دہلي هه وه باشنده مدراس نهين *
 اس كي صورت كو ديکھکر بهولے
 هلے هم بهولے سر بسر بهولے *
 منہہ كا ميٹھا تها پيت كا کھوٹا
 جهوئي ميٹهي سي بات ير بهولے *
 اس کے عشاق هو گئے وحشي
 سب به خانه خراب گهر بهولے *
 ديکھو اس ميرے يار كو اور وه
 منجه په کرتا نهين نظر بهولے *
 سوز شمع هجر سے شب جل گئے
 ڈھلته ڈھلته آنسو هم خود ڈھل گئے *
 کل كا وعده کیا رقيبوں سے کیا
 کرتے آج آپس ميں کچھ کل کل گئے *
 شرط تهي مانوں گا جو مانگو گے تم
 نام بوسه سنهتے هي کچھ قل گئے *
 غنچه دل اظفري تقرب سير
 گلر خاں پمال کر مل دل گئے *
 آئي ياد اور نقد اشک امتدے چلے
 ايسي ور خرچي نے گهر چوڀت کیا *
 کون کہتا هه که تو نے همين هت کر مارا
 دل جهپت آنکه لڑا نظروں سے دت کر مارا *
 فن کشتي ميں تو کچھ تم سے هم اگلے نکلے
 يار جي هم نے هي آخر تمهين پت کر مارا *
 اظفري نے سنه ۱۲۳۴ هجري ميں ملک بقا كي راه لي -

خوشدل

خوشدل تخلص - احمد مجتبیٰ نام - مصطفیٰ علی خان بہادر خطاب - گویامو مولد - سنہ ۱۱۷۳ ہجری سال ولادت - آپ کا نسب اٹھائیس واسطوں سے حضرت ناصر الدین عبد اللہ بن خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہنچتا ہے - حضرت ناصر الدین عبد اللہ حضرت امام حسن علی جدہ و علیہ التحیۃ والثناء کے نواسے تھے -

خوشدل نے فارسی درسی کتابیں پڑھنے کے بعد مولوی رحیم الدین گویاموی، مولوی غلام طیب بہاری اور مولانا حیدر علی سندیلوی سے علوم عربی پڑھے - قرآن مجید بھی حفظ کیا - سید شاہ غلام پیر ابن سید شاہ بیس بلگرامی قدس اسرار ہما سے بیعت کی اور آپ کے فرزند مولوی سید شاہ غلام نصیر الدین سعدی قدس سرہ سے خرقہ خلافت پایا -

سنہ ۱۲۰۰ ہجری میں فائز مدراس ہوئے اور نواب والاحاجہ فرماں رولہ کرناٹک کی سرکار میں ملازم ہو گئے - نواب ممدوح نے مصطفیٰ علی خان بہادر خطاب دیا اور سرکاری مدرسہ واقع گویامو میں مدرسہ کی خدمت عطا فرما کر وہاں بھیج دیا - نواب موصوف کی زندگی تک خوشدل اسی عہدے پر مامور رہے - نواب عمدۃ الامراء بہادر فرماں رولہ کرناٹک کی مسند نشینی کے بعد سنہ ۱۲۱۴ ہجری میں دوبارہ مدراس آئے - چند روز یہاں قیام کر کے گویامو واپس چلے گئے - سنہ ۱۲۱۶ ہجری میں نواب موصوف کی رحلت کے بعد تیسری مرتبہ وارد مدراس ہوئے اور سال بھر یہاں مقیم رہے - اس اثنا میں اہل حکومت نے آپ کو ترجیاتی کے اطراف کا قاضی مقرر کر دیا - چند سال کے بعد ممالک محروسہ صوبہ مدراس کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے -

اُن کے اشعار کا نمونہ یہ ہے :-

بوسم من بے برگ و نوا برگ حنا را
قا بوسہ بہ پیغام دہم آن کف پارا *

کردہ از خون جگر ناوک او را سیراب
 اہل دل شہان نمایند دل مہمان را *
 پردہ عالم دریدی تا نمودی جلوہ
 حیرتہ دارم ہنوز از شرم مستوری چرا *
 کشتی صبر عجب نیست کہ روگر شکند
 دیدہ زار چو دریا بہ خروش است امشب *
 دلم ز جور تو ترسان و دیدہ محو جمال
 میان دیدہ و دل طرفہ ماجراے ہست *
 خاکے شدم و گوشہ دامان نگرتم
 ز اوارگیم گرد بیابان گلہ دارد *

سنہ ۱۲۳۴ ہجری میں اس دارنا پایدار سے رخت اقامت اٹھا لیا۔
 مسجد متیال پیت کے صحن میں سپرد خاک کئے گئے۔ آپ کے فرزند
 افضل العلماء مولوی ارتضا علی خاں بہادر نے والد ماجد کے انتقال کی
 تاریخ کہی ”خوشدل مرحوم“
 ۱۲۳۴ھ

فایق

فایق تخلص - سید خیر الدین نام - فرزند سید معصوم خاں امامی -
 ادگیر مولد - سال ولادت سنہ ۱۱۸۸ ہجری ”محمد خیر الدین خاں
 فایق“ تاریخ ولادت ہے - فارسی کتابیں ادگیر میں پڑھنے کے بعد مدراس
 آئے - ۸۸ھ ۱۱
 آئے - ملک العلماء مولوی علاء الدین اور دوسرے عالموں سے عربی پڑھی -
 سنہ ۱۲۳۲ ہجری میں حیدر آباد گئے - راجہ چندو لعل کے یہاں
 پانچ سو ماہوار پر مدرسہ کی خدمت ملی - شاعری میں مولانا باقر
 آگاہ سے تلمذ تھا - کلام کا نمونہ یہ ہے :-

الہی نغمہ سنجی بخش چوں بلبل زبانم را
 برنگ گل بہار آئے محفل کن بیانم را *
 عجب نبود اگر فرزند بہتر از پدر باشد
 کہ عطر صندل افروز تر ز صندل می دہد بو را *

فوج طفلان سرشک است روان از رۂ چشم
 مگر از سینه برون شد دل دیوانہ ما *
 موسم پیری من صبح امید است مرا
 پنبہ داغ گنہ موی سفید است مرا *
 سیاه رو شود آن کس کہ عیب بین گردن
 چو خامہ بر سخن ہیچ کس مدار انگشت *
 سرخی چشم من از گریہ نباشد فایق
 آفتابے ز نظر رفت و شفق باقی ماند *
 ماجرے ابر دل زارم گذشت از آب اشک
 مشمت خاکے بود آن ہم رفت در سیلاب اشک *
 من بے چارۂ دریں راہ نیازۂ دارم
 گر تو اے زاہد خود بیس بہ نماز آمدہ *
 مرحبا باد صبا بوے خوشۂ آوردی
 مگر از ساحت گلزار حجاز آمدہ *
 سنہ ۱۲۴۲ ہجری میں دار فنا چھوڑ کر دار بقا کا راستہ لیا۔

نامی

نامی تخلص - مولوی تراب علی نام - شیعہ نصرت اللہ عباسی
 کے فرزند - خیر آباد (اودہ) مولد - سنہ ۱۱۹۱ ہجری سال ولادت -
 اپنے زمانے کے اساتذہ سے فارسی اور عربی علوم کی تحصیل کی -
 تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد شاعری کی طرف توجہ کی اور مرزا قتیل سے
 تلمذ اختیار کیا - آخر تلاش معاش میں کلکتے گئے اور بہ تقریب
 ملازمت اہل فرنگ چند سال وہیں مقیم رہے - حسن اتفاق کہ
 سنہ ۱۲۲۵ ہجری میں ایک یورپین افسر کی معیت میں ایران گئے اور
 اصفہان ، شیراز و عراق عرب کی سیڑ کر کے دو سال کے بعد کلکتے واپس
 آگئے - سفر ایران کے بعض حالات فارسی زبان میں بہ محاورۂ ایرانیان
 لکھے - سنہ ۱۲۲۹ ہجری میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدرسے میں

مدرس ہو کر مدراس آئے۔ بہت سے طالب علم آپ کے فیض تعلیم سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ان میں سے بعضوں کو اضلاع میں مفتی اور قاضی کی خدمتیں ملیں۔

آپ نے کئی تالیفات اپنی یادگار چھوڑیں، چنانچہ منطق میں در المنظوم اور نحو میں وسیط النحو۔ ان کے علاوہ منطق کی بعض کتابوں پر حواشی بھی لکھے ہیں۔

آپ کے اشعار کا یہ نمونہ ہے :-

بادل بسمل چو دیدم ربط چسپاں آہ را
 ساختم عنوان دیواں لفظ بسم اللہ را *
 بسکہ می ترسم از جدائی ہا
 توبہ کردم ز آشنائی ہا *
 ہر کس کہ سر زلف شما داشته باشد
 بس سلسلہ ہا بر سر پا داشته باشد *
 از من ای گل رو چہ پر سی باعث تاخیر اشک
 خار موگاہ می شود ہر لحظہ دامنگیر اشک *
 من بہ دل جلے بت حور سرشتے دارم
 بخدا طرفہ بہشتے و کشتے دارم *
 از بخت سیہ شکوہ ندارم کہ رسانید
 زلف سیہ یار بدیں روز سیام *
 سنہ ۱۲۴۱ ہجری میں حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً

و تعظیماً کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ واپسی کے وقت راستے میں پیچش ہو گئی۔ مرض بڑھتا گیا جس جوں دوا کی۔ سری رنگ پٹن میں بتاریخ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۲۴۴ ہجری وفات پائی۔ قیبر سلطان شہید کے گنبد کے چبوترے پر دفن ہوئے۔

شایق

شایق تخلص۔ غلام محی الدین نام۔ شایق علی خاں خطاب۔ فرزند شاہ احمد ابوتراب۔ شایق کے اسلاف کا وطن بیدرتھا، لیکن آپ کے

جد امجد نے ادگیر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ آپ سنہ ۱۲۰۳ ہجری میں ادگیر ہی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد عالی خاندان تھے۔ ان کے نسب کا سلسلہ تین واسطوں سے جناب قدوة العلماء زبدۃ الاولیاء مولوی محمد حسین شہید المعروف بہ امام صاحب (قدس سرہ) تک منتهی ہوتا ہے۔

اس خاندان کے اکثر حضرات شراب معرفت کے متوالے تھے۔ چنانچہ حضرت قاضی محمود اور جناب مولانا حبیب اللہ کے فضائل و کرامات مشہور آفاق ہیں۔

شایق کم سنی میں اپنے والد کے ہمراہ کچھ دنوں کالستری میں مقیم رہے۔ پھر مدراس پہنچے اور یہیں کے ہو رہے۔ عربی و فارسی درسی کتابیں اس زمانے کے مشہور اساتذہ سے پڑھیں۔ اپنے حقیقی ماموں سید شاہ منصور قادری سے بیعت کی۔

سنہ ۱۲۲۰ ہجری میں اپنی شادی کی تقریب سے ادگیر گئے اور نواب اعظم جاہ نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۲۴ تا سنہ ۱۲۴۱ ہجری) کی ریاست کے اخیر زمانے میں مدراس واپس آ گئے، نواب موصوف کی سرکار میں ملازم ہوئے اور شایق علی خان خطاب پایا۔ پھر سرکاری مدرسے میں فارسی کے مدرس ہو گئے۔

فارسی اشعار کی اصلاح فایق اور والا سے لیتے تھے۔ ریختہ گوئی میں اظفری اور میر شاہ حسین حقیقت سے تلمذ تھا۔ نظم اس قدر جلد کہتے تھے کہ جس کو بدیہ گوئی کہنا چاہئے۔ چنانچہ نواب اعظم جاہ بہادر کی فرمائش پر صرف تیرہ دن میں ۳۷ نعتیہ اور منقبتیہ غزلیں کہہ کر پیش کیں۔ نظم سے زیادہ نثر پر قدرت تھی۔ حسب ذیل کتابیں تصنیف کیں :-

(۱) مرج البحرین نعتیہ اور منقبتیہ غزلوں کا مجموعہ (۲) روضۂ قدسیاں در احوال بندگان دیں (۳) مثنوی ہندی مسملی بہ رشک بہشت (۴) دیوان فارسی و ہندی۔

اُن کے چند اشعار یہ ہیں :-

الہی رنگت روی گل رخاں دہ داستانم را
 بہ رنگت کاکل مشکیں مسلسل کن بیانم را *
 وقت پیری دل ز آہ سرد آخر وا شود
 می کند فیض نسیم صبح خنداں غنچہ را *
 عشق عاشق در دل معشوق آخر جا کند
 گل گریبان چاک دارد از ولای عندلیب *
 طالعہ برگشتہ از سوداء زلف طہر است
 سطرہا کے راست آید چون کبجی در مسطر است *
 مگر ز خاک نشان سوار میجوید
 وگر نہ چہیست زمیں کندن فرس بدو دست *
 احسان غنیمت است دریں باغ برستم
 حرفہ کہ در شروع گلستان است منت است *
 قاتلم کاش رخ طفل سر شکم می دید
 تاکہ در کشتن من پاس یتیمہاں می کرد *
 در حیرتم ز خال رخ دلستان او
 یارب چساں بہ شعلہ قرار سپند شد *
 سنہ ۱۲۴۹ ہجری میں اس دار فنا کو خیر باد کہا۔ آپ کے
 چھوٹے بھائی مولوی واقف نے یہ قطعہ تاریخ لکھا :-

بیدل عصر حضرت شایق * قدس اللہ سرہ السامی
 کام دل جست چون بقرب الہ * کہ جہان است جلے نا کامی
 ہاتفم سال رحلتش فرمود * ”رفقہ مہیہات ہمدم جامی“
 ۱۲ھ ۱۲۴۹ھ

معجزم

معجزم تخلص - حضرت سید شاہ حسین قادری نام - مرزند حضرت
 سید شاہ عبد القادر قادری - بیجاپور وطن آبائی - نور مولد - سال ولادت

سنہ ۱۱۸۰ ہجری - ”ذی عشق“ تاریخ ولادت - آپ کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک، اور والدہ ماجدہ کی جانب سے حضرت سلطان الاولیاء محبوب سبحانی غوث اعظم سیدنا سید عبدالقادر الحسینی الحسینی جعفری الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد امجد حضرت الحاج سید حبیب اللہ قادری بیجاپور چھوڑ کر مدت تک حیدر آباد میں اور چند مچھلی بندر میں سکونت پذیر ہوئے۔ پھر کرائیو تشریف لاکر نلور میں مقیم ہوئے۔

حضرت معجم قدس سرہ جب سن شعور کو پہنچے تو عربی نحو میں کافیہ تک مطالعہ کیا اور فارسی کتابیں اپنے چچا حضرت سید میراں قادری مرحوم قدس سرہ مدرس مدرسہ نلور سے پڑھیں۔ اپنے بڑے بھائی حضرت مولوی سید محمد قادری قدس سرہ سے بھی علمی استفادہ فرمایا۔ والد ماجد کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خرقہ خلافت بھی آپ ہی سے پایا۔

سنہ ۱۲۱۶ ہجری میں تشریف فرما مدرس ہوئے۔ مسجد جامع میلاپور کے قریب ایک مکان لیبر قیام فرمایا۔ سنہ ۱۲۴۵ ہجری میں بالکل گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔ بقیۃ العمر کبھی مسجد کے دروازے سے باہر قدم نہیں نکالا۔ ہمیشہ طالب علموں کی تعلیم اور مریدوں کی ہدایت فرماتے رہے۔ آپ کے مریدین و معتقدین کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔

آپ عاجز رافع (گوھر) کے پیرو و مرشد حضرت زبدۃ العارفین سراج السالکین مولانا الحاج مولوی سید شاہ حسین قادری الشطاری قدس سرہ العزیز کے حقیقی دادا اور دادا پیر تھے۔ آپ مدراس کے ممتاز مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کا کچھ کلام تیسرا ذیل میں درج ہے :-

روید ہزار لالہ زسنگ مزار ما
تا سر زند نشاں ز دل داغ دار ما *

صد روضہ بہشت بود فرش راہ او
 مجرم مرو ز کوچہ این گل عذار ما *
 ساغر صہیلے وحدت میدہد از شوق دل
 مست ساقی مجرم سر کردہ زندان ما *
 پیرو روشن دلاں یا بد طہانیت مدام
 در پس آئینہ آرامے بود سیماب را *
 چون بامید قدومت زندہ در گوریم ما
 زینہار از مشہد ما دامن خود را مکش *
 ناز و کرشمہ تو دل قدسیاں ربود
 از ما بہ بُرد صبر و تحمل علی الخصوص *
 سنہ ۱۲۵۰ ہجری میں وصال ہوا - کسی نے ”نیا حسین کا غم“
 تاریخ کہی - ۱۲۵۰ ہجری

حسن

حسن تخلص - محمد علی حسن نام - فرزند شیع نوازش علی -
 جونپور - ولد - سال ولادت معلوم نہوا - ان کے جد اعلیٰ شاہ فقہ اللہ
 انصاری ولد عبد اللہ انصاری تغلق شاہ بادشاہ دہلی کے عہد حکومت میں
 اپنے وطن سے فایز دہلی ہوئے - کچھ دن وہاں ٹھہر کر بہ طریق سیاحت
 جون پور گئے ، جو اُس زمانے میں شاہان شہرقیہ کا دارالحکومت تھا -
 اُن کے اوصاف حمیدہ کی شہرت ہوئی تو وہاں کے بادشاہ نے اُن سے
 جامع مسجد میں ملاقات کی اور جون پور کے پرگنہ ماہل میں چند
 مواضع بطور جاگیر عطا کئے - اُن ہی کی اولاد اس جاگیر میں سکونت
 پذیر ہو گئی - بعضوں نے معلّٰی اختیار کی اور بعض شاہان دہلی کے یہاں
 اعلیٰ عہدوں پر فایز ہوئے -

حسن نے کم سنی میں وطن سے بفارس پہنچ کر فارسی درسی کتابیں
 ملا محمد عمر (مشاہد سراج الدین علی خاں آرزو) اور شیع علی

خزین سے پڑھیں۔ پچیس برس کے سن میں علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہوکر ملک بنگالہ چلے گئے۔ وہاں چندے درس دیتے رہے۔ سنہ ۱۲۳۲ ہجری میں ارباب حکومت کی طلب پر مدراس آئے اور سرکار کمپنی کے مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے۔ چند سال کے بعد صدر مفتی کے عہدے پر ترقی پائی۔

آپ حلیم الطبع۔ کریم الاخلاق اور متواضع تھے۔ فارسی کی تمام کتابیں پڑھانے میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ علم ریاضی میں آپ کی قابلیت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ یہ چند کتابیں آپ کی تالیفات میں سے ہیں:-

(۱) تبصرة الحکمت (طبیعیات و آلهیات میں)۔

(۲) منتخب التحریر (علم ریاضی میں)۔

علم تفسیر و جفر و رمل میں بھی چند رسالے ہیں۔

اُن کے کلام کا نمونہ یہ ہے:-

از بسکہ وحشی است دل بیقرار ما

رم می کند ز سایہ مردم غبار ما *

در بر نہال قامت او تا نشاندہ ایم

گل کرد صد بہار زباغ کنار ما *

بر روی زرد ماست عیاں اشک لالہ گوں

یک جا بہم شد است خزان و بہار ما *

دوش چوں بے رحمی ظالم دل من یاد کرد

من جدا فریاد کردم دل جدا فریاد کرد *

چشم تو دوست دارم اگر می طیم بجاست

بیمار دار از غم بیمار می طید *

سنہ ۱۲۵۸ ہجری میں اس دار فانی سے ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گئے۔

والا

والا تخلص - سید ابو سعید نام - سید ابو طیب خان خطاب -
فرزند سید ابو طیب خان - رحمت آباد مولد - سنہ ۱۱۱۰ ہجری
سال ولادت -

والا کے دادا سید زین العابدین امامی نواب والاجاہ کے دیوان
محمد عاصم خان بہادر مبارز جنگ کے حقیقی چچا تھے -

والا عربی کی ابتدائی کتابیں اور فارسی کی درسی کتابیں اساتذہ
عصر سے پڑھ کر مدراس پہنچے اور فن شاعری میں مولانا آگاہ کے شاگرد
ہوے - حضرت آگاہ ہی نے آپ کا تخلص والا مقرر کیا اور از راہ عنایت
یہ شعر بھی عوزوں فرمایا :-

حظ وافر ببر از سیر چو بلبل والا

اولیں جوش بہار است گلستان ترا *

استاد کے انتقال کے بعد آپ اپنے قریبے کو گئے جو رحمت آباد کے
قریب ہے - ایک مدت وہاں ٹھہرے اور جناب مولوی شاہ رفیع الدین
قندھاری دکنی رحمۃ اللہ کے دست مبارک پر بیعت کی - سنہ ۱۲۵۲ ہجری
میں آپ کے چھوٹے فرزند نے انتقال کیا اور آپ کو اتنا صدمہ ہوا کہ وطن
کا قیام دوبہر ہو گیا - آخر سفر کی تھانی اور دوبارہ مدراس آئے -
حافظ یار جنگ کی وساطت سے سرکاری ملازم ہو کر
نواب غلام محمد غوث خان بہادر نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۴۱ تا
سنہ ۱۲۷۶ ہجری) کے استاد مقرر ہوئے اور سید ابو طیب خان
خطاب ملا -

آپ نے خطاطی اور تاریخ دانی میں کمال حاصل کیا - قادر الکلام اور
پُر گو شعرا میں آپ کا شمار تھا - دو مثنویاں 'بحر غم اور آیۂ رحمت
اور ایک دیوان (مشمول برقصائد و غزلیات وغیرہ) آپ کے افکار آبدار کا
نقیحہ ہے - نثار بھی اعلیٰ درجے کے تھے - چنانچہ حضرت خواجہ
رحمت اللہ قدس سرہ کے حالات میں ایک رسالہ بنام 'بحر رحمت' لکھا -

ان کي ڪلام کا نمونہ يہ ہے :-

لاهي ساز روشن چوڻ ید بیضا بیانم را
 کلیم طور سیفائے تجلی کن زبانم را *
 سیدہ پوش است یارب در غم تو حرف حرف من
 کرامت کن اثر چو بیت خود هر بیت دیوان را *
 اسیر عشق موگانش شدم از شوق زلف او
 بلے هر خار صیاد است مرغ رشقه بر پارا *
 نرم خوئي سبب امن بود از ظالم
 نه شود زخم نمایان چو زني تیر در آب *
 عالمے را مي توان از خلق خود تسخیر کرد
 بوء گل زنجیر مي گردد به پاء عندلیب *
 دلم ز راحت یاران همیشه خورسند است
 که ربط من به عزیزان چو شاخ پیوند است *
 اهل بصیرت از سخنے رنج مي برند
 مو در میان دیدہ کم از نوک خار نیست *
 اشکم از شوق لبش قطره زنان مي آید
 همچو طفلی که پئے قند دوان مي آید *
 گشت حسن از پرده ظاهر صورت جانانہ شد
 عشق در جوش و خروش آمد دل دیوانہ شد *
 کامل شود چو مرد نگرود بخانہ بند
 آرد چو باز پر نشود آشیانہ بند *
 از بازی دغای سپهر کینه دوست
 ہستم بسان مہرہ ششدر بخانہ بند *
 جز سیاست نبرد کار ریاست جاری
 نشود خامہ روان تانزني آنرا قط *

آید مسائل از لب ممسک جواب خشک
از چیب خشک بیال بر آید سحاب خشک *
عشق فایز کند آخر حقیقت ز مجاز
میر سد شبنم افتاده بہر از برگل *

والا نے صفر سنہ ۱۲۶۴ ہجری کو بعارضۃ فلیح انتقال کیا۔ مسجد
معمور واقع متیال پدیت کے صحن میں اپنے چچا کے پہلو میں سپرد خاک
ہوے۔ جناب خوشنود نے تاریخ رحلت ”العاقبۃ للمتقین“ کہی۔
۱۴ ھ ۱۲

عاشق

عاشق تخاص - (مولوی) سید عبد الرود نقوی نام - چوکریہ
(من قصبات ضلع بردوان، بنگالہ) مولد - سال ولادت معلوم نہوا۔
ان کے اجداد قصبہ کڑہ ضلع الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے
ایک صاحب وطن سے بردوان گئے اور وہیں مقیم ہو کر تعلیم و تدریس
دین میں مشغول ہوئے۔ ان کے اکثر اسلاف صاحبان فضل و کمال تھے
اور اپنے خوان علم سے طلبہ کو نعمت علم عطا کرتے رہے۔ عاشق کے والد
بھی کلکتہ کے مدرسۃ عالیہ میں مدرس تھے۔

عاشق نے مولوی امین اللہ سے تمام درسی کتابیں پڑھیں۔
فارغ التعلیم ہو کر سنہ ۱۲۲۲ ہجری میں مدراس آئے اور ضلع گنٹور کے
ہفتی مقرر ہوئے۔ پھر ترجنپالی کے علاقہ میں قاضی کے عہدے پر مامور
ہوئے۔ اس کے بعد صدر عدالت کے ہفتی بنائے گئے۔ پچیس برس تک
اس عہدے عالیہ کے فرائض انجام دینے کے بعد ضلع جنکل پدیت میں
صدر امین بنائے گئے۔

کلام کا نمونہ یہ ہے :-

آتش انتظار سوخت مرا
چہ بالہ است آشنائی ہا *

از مساس مصحف رویش گنہ نغوشته اند
 دشت از جان شسته در عشقش وضو داریم ما *
 ازین چین ها کہ دارم بر جبین وقت کهن سالی
 بصد لب می کنم تفسیر رنج ضعف پیری را *
 نکند صبر این دل نادان
 کار با سخت جاہل افتاد است *
 چون سینہ من کلبہ اخگر شدہ از عشق
 ہر ذرہ آہم چو شرار است بہ بینید *
 سخن را آب و تاب از اشک دل سوزے چنان دارم -
 بگوش ہر کہ می افتد کم از گوہر نمی داند -
 سنہ ۱۲۶۸ ہجری میں انتقال ہوا - شاہ راہ میلاپور میں دلیر جنگ
 بہادر کے مقبرے کے روبرو سپرد خاک کئے گئے -

خوشنود

خوشنود تخلص - (مولوی) ارتضا علی نام - ارتضا علی خان بہادر
 خطاب - فرزند مولوی مصطفیٰ علی خان بہادر خوشدل - قصبہ گویامو میں
 سنہ ۱۲۱۸ ہجری میں پیدا ہوئے -

پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد سے فارسی کی چند کتابیں اور
 عربی میں کافیہ تک پڑھنے کے بعد لکھنؤ گئے اور بہ حیثیت طالب علم
 برسوں وہاں قیام پذیر رہے - وہاں سے سندیلے پہنچے اور مولانا حیدر علی
 سندیلوی کی خدمت میں 'جر مشہور علماء میں سے تھے' علوم
 معقول و منقول حاصل کئے پھر بلگرام میں سات سال تک مقیم رہ کر
 مولوی محمد ابراہیم ملیباری سے باقی کتابیں پڑھیں - فارغ التحصیل
 ہونے کے بعد جناب مولوی شاہ غلام نصیر الدین سعدی بلگرامی
 رحمہ اللہ سے بیعت کا شرف اور خرقہ خلافت پایا -

سنہ ۱۲۲۵ ہجری کے شروع میں اپنے والد سے ملنے کے لئے مدراس
 آئے - پانچ سال بعد نواب عظیم الدولہ بہادر نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۱۶ تا

سنہ ۱۲۳۴ ہجری) کی سرکار میں ملازم ہوئے اور محکمہ عالیہ کے مفتی مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۲۳۵ ہجری میں کسی وجہ سے مستعفی ہو گئے اور چندے متوکلائے زندگی بسر کی۔ بعض اہل حکومت کی خواہش پر دوبارہ قاضی کا عہدہ قبول کیا اور چطور کے علاقے میں مقرر کئے گئے۔ کچھ دنوں بعد صدر مفتی ہوئے۔ سنہ ۱۲۴۴ ہجری میں صوبہ مدراس کے قاضی القضاۃ بنائے گئے۔

چوبیس سال تک اپنے فرائض نہایت خوبی کے ساتھ انجام دینے کے بعد سنہ ۱۲۶۸ ہجری میں وظیفہ لے کر اپنی خدمت سے سبک دوش ہوئے اور مع اہل و عیال حرمین شریفین زاد ہما اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً تشریف لے گئے۔

نواب غلام محمد غوث خان بہادر اعظم نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۴۱ تا سنہ ۱۲۷۲ ہجری) آپ کے شاگرد تھے۔ سیکڑوں طلبہ نے آپ کے خان تعلیم سے بہرہ وانی حاصل کیا۔ آپ نے بہت سی عربی کتابوں کی شرحیں اور حاشیے لکھے۔ ان کے علاوہ ذیل کی کتابیں آپ کی تالیف ہیں :-

- (۱) نقود الحساب (۲) فرائض ارتضیۃ (۳) شرح فارسی قصیدہ بردہ
 - (۴) تنبیہ الغفل فی اثبات ایمان آباء الرسول (۵) شرح اسماء الحسنی عربی۔
- آپ کے فارسی کلام کا یہ رنگ ہے :-

چشم آہو با ہمہ شوخی شکار چشم تست
 نرگس شہلابہ مستی شرمسار چشم تست *

کے نظر افتد براں گل چہرہ نازک بدن

ہستی موهوم تو خوشنود خار چشم تست *

دانہ سبحہ مگر داں زاہد

انما اللہ اللہ واحد *

چہ بلا سوز درونم اثرے پیدا کرد

ریخت اشکے کہ ز چشم شررے پید

شد چنان سیدہ مشکبک ز خدنگ تو کہ دل
 بہر نظارہ زہر رخنہ درے پیدا گرد *
 تا نواز می کدہ رفتی بہوایت ز حباب
 مع بہ مدیا ہمہ تن چشم ترے پیدا کرد *
 قصد صید دل مابود کہ صیاد ازل
 چون تو نازک بدنہ خوش کرے پیدا کرد *
 نیست 'خوشنود' سزاوار ملامت ناصم
 دل و جان باخت بعشق و ہنرے پیدا کرد *
 خواہی کہ نماز عشق خوانی
 از خون دو دیدہ با وضو باش *
 از خستہ خود یاد نیاری عجب از تو
 کشتی و بخاکش نہ سپاری عجب از تو *
 خوشنود از آنجا بچہ کار آمدہ بودی
 مغفول دریں جا بچہ کاری عجب از تو *
 چرخ زن گرد نقطہ وحدت
 ہمچو برکار باش تا باشی *

رباعی

آدم اذینہ جمال تو بود * عالم ہمہ مظهر کمال تو بود
 آن کس کہ نکرد نفس خود را ادراک * کے محرم محفل وصال تو بود
 خوشنود کا سال رحلت معلوم نہوا - اتنا پتہ چلتا ہے کہ
 تذکرہ گزار اعظم کی تالیف یغنی سنہ ۱۲۶۱ ہجری تک زندہ ہے -

شفیع

شفیع تخلص - میر محمد شفیع نام - فرزند میر عسکری
 باقری استر آبادی - نلور مولد - سنہ ۱۲۶۸ ہجری سال ولادت - سلطان
 ابوالحسن قطب شاہ عرف تانا شاہ والی حیدر آباد دکن (سنہ ۱۰۸۳ تا
 سنہ ۱۰۹۸ ہجری) نے شفیع کے اجداد میں سے ایک صاحب

میر حسن اسقر آبادی کی بڑی قدر افزائی فرمائی اور مصافات
حمید آباد میں مری کڈھ گئی جاگیر عطا کی۔ شفیع کے والد پہلے تو
مچھلی بندر میں تجارت کرتے تھے۔ بعد کو ملازمت کی اور ضلع نلور کے
ایک مہکمے میں منشی مقرر ہوئے۔

شفیع نے ہر شے سیکھنے کے بعد اپنے والد اور دوسرے اساتذہ سے
فارسی اور عربی پڑھی۔ نیز علم حساب میں بھی مہارت پیدا کی۔
عرصہ دراز تک مختلف شہروں کی سیاحت کرتے رہے۔ باپ کے
انتقال کے بعد اُن ہی کی خدمت پر مامور ہوئے۔ پھر محکمہ صدر امین
نلور کے دیوانی دفاتر کی سر رشتہ داری پر تقرر ہوا۔ زبان تلنگی وغیرہ سے
بھی خوب واقف تھے اور بہت جلد ترجمہ کرتے تھے۔ فن شعر میں
میر محمد حسن غریب اور میرزا عبد الباقی وفا سے تلمذ تھا۔ ہندی اور
فارسی شعر کہتے تھے۔ مختلف فنون میں ان کی نظم و نثر موجود ہے۔
جس کا شمار ساٹھ ہزار بیت سے زیادہ ہوتا ہے۔

نمونہ کلام فارسی یہ ہے :-

خال بر عین صنم بس بہ ہزار انداز است
الف کرد است نگر حسن الف قامت را *
مرق مک دست تہی شد ز در ولعل سرشک
لعل خنداں مددے، گوہرے دنداں مددے *
فرگس و غنچہ و گل چشم و دھان و رخ تست
حاش للہ روم جاذب بستانِ کسے *
شفیع کے انتقال کا سال معلوم نہوا۔ لیکن وہ تذکرہ گلزار اعظم
کی تالیف (سنہ ۱۲۶۱ ہجری) کے وقت تک زندہ تھے۔

قدرت

قدرت تخلص - محمد قدرت اللہ نام - محمد قدرت اللہ خاں
خطاب - فرزند محمد کامل - گویامو مولد - سنہ ۱۱۹۱ ہجری
سال ولادت -

آپ کا سلسلہ نسب حضرت قاسم بن محمد بن حضرت سیدنا امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ یہ حضرت قاسم وہی ہیں جو مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے تھے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ قدرت کے اسلاف عرب سے ہند میں کس راستہ سے آئے۔ بہر حال قنوج میں سکونت گزریں ہوئے۔ ان میں سے ایک صاحب سلطنت غوریہ کے اخیر زمانے میں گویامو سے آئے۔ وہاں کے حکام وقت نے ان کی صلاحیت اور امانت کا لحاظ کر کے ان کو نائب صدر مقرر کر دیا۔ اس عہدے کی تنخواہ بہت معقول تھی۔ سلطنت تیموریہ کے اختتام تک ان کی اولاد میں یہ خدمت باقی اور تنخواہ برابر جاری رہی۔

قدرت نے صرف و نکر عربی اور فارسی درسی کتابیں اساتذہ وقت سے پڑھیں۔ سنہ ۱۲۲۷ ہجری میں مدراس پہنچے۔ جناب ارتضا علی خان بہادر خوشنود سے علم فرائض و حساب پڑھا۔ نواب اعظم جاہ بہادر رضوان مآب نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۳۴ تا سنہ ۱۲۴۱ ھ) کے دربار سے خان کا خطاب اور نواب عظیم الدولہ بہادر رحمت مآب نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۱۱ تا سنہ ۱۲۳۴ ہجری) کے مقبرے کی تولیت مرحمت ہوئی۔ جب نواب غلام محمد غوث خان بہادر اعظم نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۴۱ تا سنہ ۱۲۷۲ ہجری) نے محفل مشاعرہ اعظم قائم فرمائی، اس کے دو حکم مقرر فرمائے گئے۔ ان میں ایک قدرت تھے۔ آپ زاہد شب زندہ دار اور عابد و پرهیز گار تھے۔

ایک ضخیم دیوان اور ایک تذکرہ شعراء مسمیٰ بہ 'نتائج الافکار' یادگار چھوڑا۔ یہ تذکرہ نواب کرناٹک کی طرف سے سرکاری مطبع میں طبع ہوا تھا۔

ان کا کچھ منتخب کلام یہ ہے :-

چشم نشود ملتفت غیر ز سویت
کر قبلہ نگرداند کسے قبلہ نما را *

از راستی تیر، کہاں راست نگرود
 من چون ز عضا راست کنم پشت دو تارا *
 منزلت در دل و دل بستہ زلف
 زلف مشکین کہ شکست من و تست *
 اشک من راز سینہ افشا کرد
 طفل ہرگز نہ معتمد باشد *
 برباد مکن وفای دیرین
 من خاک شدم غبار تا چند *
 قدرت کی رحلت کا سال معلوم نہیں، مگر وہ تذکرۂ گلزار اعظم کی
 تالیف (سنہ ۱۲۶۱ ہجری) کے وقت زندہ تھے۔

مختار

مختار تخلص - باقر حسین نام - حسن علی خاں خطاب -
 فرزند حسن علی خاں - سرپرنگٹ پٹن مولد - سنہ ۱۲۱۰ ہجری
 سال ولادت -

پانچ سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ وارد محمد پور (ارکات)
 ہوئے۔ اساتذہ عصر سے فارسی پڑھی - سنہ ۱۲۳۰ ہجری میں مدراس آئے
 اور یہیں مقیم ہو گئے۔ نواب اعظم جاہ بہادر رضوان مآب نواب کرنائٹ
 (سنہ ۱۲۳۴ تا سنہ ۱۲۴۱ ہجری) کے عہد ریاست میں 'حسن علی خاں'
 کا خطاب ملا۔ آخر عمر میں مجلس مشاعرۂ اعظم میں 'جسکو نواب
 غلام محمد غوث خاں بہادر اعظم نے قائم کیا تھا' داخل ہوئے۔

فارسی شعر کم اور ہندی شعر خصوصاً مرثیہ اکثر کہتے تھے۔
 کلام کا نمونہ یہ ہے۔

ہر کہ سازد سرکش ہمچون حباب شوخ چشم
 زود بیند از ہوائے خویش مدفن زیر پا *
 عیش و نشاط اہل جہاں را ثبات نیست
 چو دامن بہار کہ آمد بدست و رفت *

ہمچو شمع محفل شب زندہ داراں طبع من

ہر زمان مختار روشن تر ز ترک خواب شد *

ہمچو پروانہ ہر چراغ رخت

شمع فانوس آسمان سوزد *

مختار کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہ ہوئی البتہ تذکرہ گلزار اعظم

کی تالیف کے وقت زندہ تھے۔

واقف

واقف تخلص۔ میراں محی الدین قادری نام۔ فرزند شاہ احمد

ابو تراب قادری۔ ادگیر مولد۔ سنہ ۱۲۰۵ ہجری سال ولادت۔

کم سنی میں اپنے والد کے ہمراہ مدراس آئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ مولانا باقر آگاہ اور مولوی غلام محی الدین عجیز سے فارسی پڑھی۔ عربی کی تحصیل ملک العلماء مولوی علاء الدین صاحب سے کی۔ اپنے حقیقی مائیں سید شاہ منصور قادری سے بیعت کی اور تمام سلسلوں میں خرقہ خلافت پایا۔ شاعری میں مولوی سید خیر الدین فایق سے تلمذ تھا۔ بیعت ہونے سے پہلے بسمل تخلص کرتے تھے، مرشد کے حکم سے واقف تخلص اختیار کیا۔ چنانچہ ایک اردو غزل کے مقطع میں کنایتاً اس کو یوں ظاہر کیا ہے :-

سرِ مخفی سے انا الحق کے نہ تھا میں واقف

جب تلک شیعہ مرا حضرت منصور نہ تھا *

مدراس میں ’شہر استاد‘ کہلاتے تھے۔ نواب غلام محمد غوث

خان بہادر اعظم نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۴۱ تا سنہ ۱۲۷۲ ہجری) نے

ایک مدرسہ مدراس میں قائم فرمایا تھا جس کا نام مدرسہ اعظم رکھا۔

نواب صاحب موصوف کے انتقال کے بعد اس مدرسے کو سرکار انگریزی نے

اپنے اہتمام میں لے لیا۔ مدرسہ اب تک حضرت اعظم کے نام مبارک سے

منسوب چلا آتا ہے اور بدستور سرکاری انتظام ہے۔ غرض واقف بھی اس

مدرسہ کے مدرس مقرر کیے گئے۔ اور محفل مشاعرہ اعظم کے ایک حکم

بھی تھے۔

پ کے کلام کا یہ رنگ ہے :-

از سر حرف انا الحق شد بہ دست من عصا

حضرت منصور واقف تا بود ہادی مرا *

چوں مردمک ز ترک تردد تمام عمر

آسایشے بہ سایۂ مؤکّانم آرزو است *

بے سوز دل بنائے عمل استوار نیست

دیوار خشت خام گہے پایدار نیست *

بے مشقت نہ فدد گوہر مقصود بکف

مدّتے سنگت پی لعل جگر سوختہ است *

خاموشی است موجب سر سبز دروں

صد بار این سخن بلب خویش پستہ گفت *

مرد میدان نہ کشد منت کس را واقف

بہر آب است کجا تیغ بہ باران محتاج *

ہزاراں حیلہ انگیزد برائے دادن نانے

مگر ہستم بخوان چرخ دوں نا خواندہ مہمانے *

واقف - تذکرۂ گلزار اعظم کی تالیف کے وقت تک زندہ تھے - مگر

ان کے انتقال کا صحیح سال معلوم نہوا -

فصل ہفتم

وہ فارسی شعراء جو کرفاٹنگ میں پیدا ہوئے

ابجدی

ابجدی تخلص - میر اسماعیل خاں نام - فرزند سید شاہ میر -
بیجاپور وطن اسلاف - چنگل پیٹ علاقہ مدراس مولد - سال ولادت
معلوم نہوا -

ان کے والد ملا محمد، مصنف تاریخ فرشتہ کے بہنوئی تھے -
ابجدی نے اپنے زمانے کے اساتذہ سے عربی اور فارسی پڑھی - تحصیل
علم سے فارغ ہونے کے بعد نواب والا جاہ جنت آرام گاہ کی خدمت میں
باریاب ہوئے - آپ نے اپنے فرزندوں یعنی نواب عمدة الامراء بہادر اور
نواب امیر الامراء بہادر کی تعلیم کے لئے ان کو مقرر فرمایا -

ابجدی کی طبیعت بہت ہوزوں واقع ہوئی تھی - فارسی اور
ہندی شعر کہتے تھے - آپ نے ایک دیوان اور پانچ مثنویاں تالیف کیں -
نواب والا جاہ کے حکم سے مثنوی 'انور نامہ' لکھی - نواب موصوف کو وہ
مثنوی اتنی پسند آئی کہ ابجدی کو چاندی میں ٹلوا دیا - اس چاندی
کی قیمت چھ ہزار سات سو روپیہ ہوئی اور چند خلعت بھی مرحمت
فرمائے - سنہ ۱۱۸۱ ہجری میں ملک الشعراء کا خطاب بھی عطا فرمایا -

آپ کے کلام کا یہ نمونہ ہے :-

دستک بدر سینہ زند دل ز طپیدن

شاید کہ در آید بت سیمیں بدن ما *

از سبک روحی چو بوی گل جہانے سر کنیم

با قدم ہرگز نگردن آشنا رفقار ما *

توبہ امشب بہ بزم یار شکست

عہد در موسم بہار شکست *

خوش است سوي زخداين او نظر ليکن
 به بلے خویش فقايد به چاه رسوائی است *
 تانغه گردد دل دو پاره بر نيلايد آرزو
 ديده ام خورشيد در بچاک گريبان صباح *
 بزرگ شيشه ساعت دلم را باداش بستم
 سکه راز هر يکے بر يک دگر پنہاں نمي ماند *
 دل را به دام زلف گره گیر بسته اند
 ديوانه را به حلقه زنجير بسته اند *
 برآء رفع گزند حوادث دوران
 شد است داغ علم ابجدی مرا تعزید *

ابجدي نے سنہ ۱۱۹۳ ہجری میں قضا کی - جامع مسجد میلانور کے
 صحن میں دفن ہوئے -

ذوقی

ذوقی تخلص - سید عبداللطیف نام - غلام مجیب الدین عرف -
 فرزند حضرت سید شاہ ابوالحسن قریب قدس سرہ - بیجاپور وطن اسلاف -
 بیجاپور مولد - سال ولادت معلوم نہوا -

اپنے والد ماجد سے ابتدائی فارسی کتابیں پڑھیں - پھر عظیم الدین
 داماد محمد جعفر طالب علم ویلوری سے صرف و نحو عربی اور علم معقول
 کے چند رسالے پڑھے - ذہن و ذکاوت خدا داد تھی - اتنی ہی تعلیم سے
 معقول و منقول کی مستند کتابوں کے مطالعہ کی استعداد پیدا کر لی -
 حقائق و معارف کے علوم سے بھی خوب واقفیت بہم پہنچالی -

حضرت ذوقی کے مزاج میں بڑی بے تکلفی تھی - ظاہری لباس
 و آرایش کا خیال نہ تھا - امیروں اور توتکروں کی بالکل پروا نہ کرتے تھے -
 وقت آخر تک طالبان حق کی تعلیم اور راہ نمائی میں مصروف رہے -

آپ کو تصنیف و تالیف کی طرف توجہ ہوئی تو علم فرائض -
 حساب - بیان - منطقی - تصوف وغیرہ میں بہت سے رسائل لکھے -

قصائد کے دو کثیر الحجم دیوان، غزلوں اور رباعیوں کا دیوان اور پانچ مثنویاں و مثنوی معجزہ مصطفیٰ آپ کے افکار آبدار کا نتیجہ ہیں۔ فصیح اللسان شاعر تھے۔ قدیم شعراء کی طرز پر کہتے تھے۔ آپ کی زود فکری غیر معمولی تھی۔ مولانا باقر آگاہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت ذوق نے میرے روبرو سات سو شعر موزوں کئے اور فرمایا کہ بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ مجھے ایک دن میں ہزار ہزار شعر کہنے پڑے ہیں۔

علاوہ ان مثنویوں کے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، آپ نے ایک مثنوی بنام 'دُرّ بیہا' تصنیف فرمائی۔ اس مثنوی میں اُس جنگ کے واقعات بیان کئے گئے ہیں جو نواب عمدۃ الامراء بہادر اور تنجاوریوں میں ہوئی تھی۔ اسی مثنوی کے چند شعر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، جن سے آپ کے کلام کا اندازہ ہو سکے گا: ^۱

راندہ بارہ بسوی آں بارہ *	آمد اندر خروش نقارہ
تیغ ہا درمیان تیرہ غبار *	روز روشن نمود درشب تار
بارش گولہ از حسیض زمیں *	ہمچو یاراں زواج چرخ بریں
چرخ را چرخ سر در افگندہ *	کر گس آسمان سر افگندہ
برگت بید اندران سواد ستم *	خضم را گشتہ برگت راہ عدم
آشکارا شد از میانہ فوج *	شعلہ بر شعلہ موج اندر موج
توپ ہا دود بر سر آوردہ *	وز سران دود ہا بر آوردہ
بسکہ پیکان تیر دل می سفت *	الامان الامان اجل می گفت
ریکلہ فتنہ ہا بپا کردہ *	گلہ از فرق مہ جدا کردہ
تا برد چیرہ دستیش بعدو *	خورد پستول داروی نیرو
رفتہ برباد فتنہ چوں پریاں *	از زمیں بر فلک تجاوریان

سنہ ۱۱۹۴ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔ قلعہ ویلور کی خندق پر اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

آگاہ

آگاہ تخلص۔ محمد باقر نام (نایطی و شافعی)۔ فرزند محمد مرتضیٰ المعروف بہ محمد صاحب۔ بیجاپور وطن اسلاف۔ ویلور مولد۔ سنہ ۱۱۵۸ ہجری سال ولادت۔

وطن میں فارسی اور عربی کی چند کتابیں پڑھیں۔ پھر طلبِ علم کی غرض سے ترجنپالی گئے اور ذہانت خدا داد سے پندرہ سال کی عمر میں نظم و نثر لکھنے پر قادر ہو گئے۔ انیس سال کی عمر میں حضرت سید شاہ ابو الحسن قدس سرہ سے بیعت کی اور آپ ہی سے اشعار کی اصلاح لیتے رہے۔ نعمت و مقربیت میں بہت سے قصائد و غزلیات اور مثنویاں لکھیں۔ اس وقت آپ نے اپنا کوئی تخلص قرار نہیں دیا تھا۔ پیر و مرشد کے انتقال کے بعد اپنے تمام اشعار غرق آب کر دیے۔ شاعری سے کفارہ کش ہو گئے اور ترجنپالی سے چلے آئے۔ ایک دفعہ پھر ترجنپالی گئے اور نواب والا جاہ فرماں روائی کرنا تک (سنہ ۱۱۸۴ تا سنہ ۱۲۱۰ ہجری) نے بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ ملاقات کی اور اپنے دوسرے فرزند نواب امیر الامراء بہادر کا اتالیق مقرر کر کے دو سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ عطا کیا۔ کچھ روز بعد التور کی جاگیر جس کی سالانہ آمدنی بارہ سو ہون تھی، مرحمت فرمائی۔ جب نواب امیر الامراء بہادر مدراس آنے لگے تو آگاہ بھی ہم رکاب آگئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ مدراس پہنچ کر پھر شعر گوئی شروع کر دی۔ نواب والا جاہ بہادر کے جو خطوط اہل حجاز کے نام جاتے تھے وہ سب آگاہ ہی لکھتے تھے۔ جب پہلا خط وہاں پہنچا، تو فصلے وقت نے آپ کی انشا بہت پسند کر کے نواب والا جاہ کو محرر کی بہت تعریف لکھی۔ نواب صاحب اس سے ایسے خوش ہوئے کہ اپنے فرزندوں نواب عمدة الامراء اور نواب امیر الامراء کو ایک سونے کے گہوارے کے ساتھ مولانا آگاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور دونوں صاحب زادوں سے کہا کہ مولوی صاحب کو اس میں بٹھلا کر جھلاٹیں۔ مولانا نے بڑے اصرار کے بعد یہ تحفہ تو قبول فرمالیا مگر جھلاٹے جانے سے انکار کر دیا۔

آپ کے بہت سے شاگرد تھے۔ ان میں سے نواب تاج الامراء بہادر ماجد فرزند نواب عمدة الامراء بہادر اور اعزالدین خاں نامی نے بڑی

شہرت پائی، جیسا کہ ان دونوں کے حالات سے ظاہر ہوگا، جو اس کتاب میں درج ہیں۔

عربی فارسی اور ہندی میں آپ کی بہت سی تصانیف موجود ہیں۔ ان کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ آپ کے کلام کا یہ رنگ ہے :-

الہی مطلع صبح تجلی کن دل مارا
چمن زار گل وادی ایمن کن گل مارا *
غم فراق تواز بسکہ کاست جان مرا
عصا ز آہ بود جسم ناتوان مرا *
بستم بہ طرۂ تو دل زار خویش را
آخر نکلندہ ام بہ سرت بار خویش را *
شکافے در دل از تیر نکلانہ کردہ ام پیدا
بسوی آں وفا بیگانہ رہے کردہ ام پیدا *
زمشک آں کہ ساغر از لبش خورشید تابان است
ہلال آسا کند قالب تہی منہ تمام امشب *
برنگت غنچۂ شاخ بریدہ دل تنگم
کہ داغ آں گل رعنا بہ نو بہارم سوخت *
دور نبود شاخ رزگردن اگر مسواک شہنہ
بسکہ در نور نگاہت می کشی دارد بواج *
گر نمی داشت اثر جذب حدیث آگاہ
شہ مع را بر سر روانہ چرا گریں کرد *
رباعی

ایراں بقیاس ہر سقیم الافکار
رجاں دارد بہند جنت آثار *
نشنید کہ بر حلیق اجدیست آہم
در بہند فرود آمد و در بہار *
رباعی

آگاہ سند ۱۲۲۰ ہجری میں جنت نصیب ہوئے۔ مدیلاپور کے راستے میں ہاتھی گنتے کے پاس سپرد خاک کئے گئے۔

معجز

معجز تخلص - غلام محی الدین نام - فرزند محمد ندیم اللہ نایبی - اسلاف کا وطن پہلے مدینہ منورہ تھا، پھر پانڈا پونڈا اور اس کے بعد بیجاپور تھا۔ محمد پور (ارکات) مولد - سنہ ۱۱۷۳ ہجری سال ولادت ہے - عربی میں قطبی اور میر تک اور فارسی درسی کتابیں اپنے زمانے کے استادوں سے پڑھیں۔ سترہ برس کی عمر میں مدراس آئے اور اپنے بزرگوں کے قدیم تعارف کی وجہ سے محمد محفوظ خان بہادر شہامت جنگت، برادر نواب والا جاہ فرمانروای کرناٹک کے مورد عنایت و عاطفت ہوئے۔ نواب امیر الامراء بہادر فرزند دوم نواب والا جاہ بہادر نے اپنے فرزند نواب عظیم الدولہ بہادر نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۱۶ تا سنہ ۱۲۳۴ ہجری) کی تعلیم ان کے سپرد کر دی۔ جب چند سال کے بعد نواب ممدوح کا انتقال ہو گیا تو نواب والا جاہ نے معجز کو اپنے ملازمین کے زمرے میں داخل فرمالیا اور اسی خدمت پر بحال رکھا اور اپنے فرزندوں اور دامادوں کو بھی بہ غرض تعلیم ان کے تفویض فرمایا۔

نواب عظیم الدولہ بہادر رحمت مآب نواب کرناٹک نے اپنے عہد ریاست میں اپنے استاد کو مدارالمہام بنانا چاہا لیکن معجز نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ ”میں غلام محی الدین ہوں کسی اور کی بندگی نہیں کرونگا“ اس پر نواب نے ایک سو چالیس روپیہ کا منصب جاری فرما دیا اور اپنے فرزند اکبر نواب اعظم جاہ بہادر کی تعلیم آپ کے سپرد کر دی۔ نواب رحمت مآب اپنے استاد کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے اور مرتے دم تک خلوص کے ساتھ شاگردی کے حقوق بجالاتے رہے۔

شاعری میں آپ کو مولانا باقر آگاہ سے تلمذ تھا۔

اشعار کا نمونہ یہ ہے :-

کند بے بال و پر تیر فلک را ترک چشم او

بہ تیر غم چون پیوند سازد قوس ابرو را *

صد مے کدہ چوں وقف ایام نگہ تست
 یک دور کہ بے بادہ تباہ است دل ما *
 عدم شخص خود نما شدن است
 غنچه را گل شدن فنا شدن است *
 چشم عالی ہمتاں بالا نہ بیند از غرور
 گرچہ اختر بر فلک باشد نگاہش بر زمین است *
 تکبیر اولیں است سلام وداع خویش
 عشاق چوں نماز محبت ادا کنند *
 ز پا افتادہ را عالی مقاماں پایہ می بخشند
 کند ہر عالم بالا بہ جذب خود سفر شبنم *
 آخر عمر میں معجز تمام کاموں سے دست بردار ہو کر گوشہ نشین
 ہو گئے تھے - سنہ ۱۲۱۹ ہجری میں وفات پائی -

بیخود

بیخود تخلص - سید امین غوث نام - فرزند سید محی الدین
 بیجاپوری - محمد پور عرف ارکات مولد - سنہ ۱۲۱۰ ہجری سال ولادت -
 کم سنی میں مدراس پہنچے - فارسی کی کتابیں حضرت سید شاہ
 حسین صاحب قادری مہجرم قدس سرہ اور مولوی قادر بخش صاحب سے
 پڑھیں - عربی میں میبذی تک ملک العلماء مولوی علاء الدین صاحب
 سے مستفیض ہوئے - سنہ ۱۲۳۵ ہجری میں حیدر آباد چلے گئے اور راجہ
 چندو لال کے شعراء کے زمرے میں داخل ہوئے - کچھ دنوں بعد دہلی کا
 رخ کیا - پھر ان کا پتہ نہ چلا کہ کیا ہوئے -
 بڑے آزاد منش آدمی تھے - ہدیہ گوئی میں اپنے ہم عصر شعراء
 میں ممتاز سمجھے جاتے تھے -

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے :-

نیست در راہ طلب حاجت مشعل دگرم
 ز آتش عشق سرا پای من افروختہ است *

مصحف روی تو تفسیر دگر می خواهد

من چه گویم رخ زیبای تو دیدن دارد *

بدین امید کہ روزے بدامن تو رسم

غبار وار بکویت بسے گزر کردم *

بیخود کے انتقال کا سال نہ معلوم ہوا۔ بہر حال یہ ثابت ہے

کہ وہ سنہ ۱۲۳۵ ہجری تک بقید حیات تھے۔ اس لئے کہ اسی سن میں حیدر آباد گئے تھے۔

برہان

برہان تخلص۔ سید برہان خاں ہانڈی نام۔ فرزند سید حسن

ہانڈی۔ بیجاپور وطن اسلاف۔ نٹھر نگر (ترچناپلی) مولد۔ سال ولادت معلوم نہوا۔

شرفاء اہل دکن میں سے تھے۔ غلام حسین جودت کے فیض

تعلیم سے فارسی میں اچھی استعداد حاصل کی۔ نظم و نثر کی اصلاح

بھی ان ہی سے لیتے تھے۔ فن انشاپردازی میں ان کی بڑی شہرت ہوئی۔

ابتدا میں شرفاء اہل نواب کے یہاں منشی گری کرتے تھے۔ پھر نواب

والاجہ فرمانروا کے کرائے کے فرزند حسام الملک بہادر کی سرکار میں

بمقام نٹھر نگر ملازم ہوئے اور آپ کے حکم سے کتاب ”نثر والاجہ“

تصنیف کی۔ چند روز کے بعد آپ کے ہمراہ مدراس آئے اور یہیں

سکونت اختیار کر لی۔ نعرۂ حیدری، انشاہ برہانی، منشآت بے نظیر

اور طوطی نامہ منظوم لکھا۔

کلام کا نمونہ یہ ہے :-

فرود عزت عالی نژاد در پستی

دُور است قطرہ کہ رفت از سحاب در تہ آب *

تپ دل در ہواش شعلہ جوش است

تمنا ہر نفس معشر خروش است *

زودود عشق او ہر جا کہ داغ است
 کدورت خانہ جاں را چراغ است *
 وای ہر حال نارسائی ہا
 زیستن بے تو سخت دشوار است *
 برہاں بصد ہزار پریشانی زماں
 از دامن تو دور نشد گر غبار شد *
 سنہ ۱۴۳۸ ہجری میں جادہ پیمائے ملک بقا ہوے۔

رایق

رایق: تخلص - غلام علی موسیٰ رضا نام - حکیم باقر حسین خاں
 خطاب - فرزند حکیم رکن الدین حسین خاں نایبی - محمد پور (ارکات)
 مولد - سنہ ۱۱۸۰ ہجری سال ولادت - تذکرہ محبوب الزماں میں رایق کا
 مولد ادگیر بتلایا ہے اور سال وفات سنہ ۱۲۴۷ ہجری لکھا ہے - گلزار اعظم نے
 ان کا مولد ارکات اور سنہ ۱۴۰۸ ہجری سال وفات بتلایا ہے - چونکہ رایق کو
 دربار کرناٹک سے گہرا تعلق تھا اور صاحب گلزار اعظم وہیں کے فرمانروا تھے
 اس لئے ان ہی کا بیان زیادہ قابل و ثمر ہے۔

نواب حیدر علی خاں فرماں رواے میسور کی معرکہ آرائی کے
 زمانے میں ادگیر پہنچ کر وہاں کے جاگیردار سید عبد القادر خاں کے
 ملازم رہے - اُس کے بعد مدراس آئے - مولانا باقر آگاہ کے فیض تعلیم سے
 فارسی نظم و نثر میں خاص مہارت پیدا کی - فن طب میں بھی بڑی
 شہرت پائی -

نواب عمدة الامراء بہادر فرماں رواے کرناٹک نے انہیں محمد پور
 میں منشی گری کی خدمت میں مامور فرمایا - نواب موصوف کی
 وفات کے بعد رایق دوبارہ مدراس آئے اور نواب عظیم الدولہ بہادر رحمت
 مآب نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۱۶ تا سنہ ۱۳۰۴ ہجری) کے زمرہ اطباء میں
 داخل ہوئے اور نواب ممدوح نے حکیم باقر حسین خاں کا خطاب دیا۔

اخیر زمانے میں نواب اعظم جاہ بہادر رضواں مآب نواب کرناٹک (سنہ ۱۲۳۴ تا سنہ ۱۲۴۱ ہجری) کے مصاحبوں میں داخل ہوئے۔

شاعر ہونے کے علاوہ بہت بڑے ادیب و انشا پرداز بھی تھے۔ ایک تذکرہ گلدستہ کرناٹک کے نام سے نہایت فصیح و بلیغ لکھا ہے۔

کلام کا نمونہ یہ ہے :-

بیاقوت جگر کن دیدم اسم شاہ جیلاں را
 بہ این اسم معظم تو اما دیدم چو ایماں را *
 بہ راہ مرگ رفتن اغنیا را سخت دشوار است
 کہ غر بہ کے بہ آسانی نماید قطع منزل ہا *
 سر کرد در بساط زمین بازی فلک
 یکسر برات میر ز حکم غلام سوخت *
 شاعر نا خوبت کند رسوائے عالم گوش دار
 چوں پسر اپتر شود فخریں پدر را می کنند *
 ہر دم از سوداے عشق آن بت انور جبیں
 ہمچو ہندو شمع می مالد بہ خاکستر جبیں *

رایق نے بقول تذکرہ اعظم سنہ ۱۲۴۸ ہجری میں قضا کی۔ جذاب ’والا‘ نے اُن کی تاریخ رحلت حسب ذیل کہی ہے مگر اُس سے سنہ ۱۲۵۱ نکلتے ہیں :-

داروزی اجل چو خورد رایق * با بدرقہ گلاب ایماں
 سالش ز سربگا ظلم گفت * حقا کہ ز دہر رفت لقماں
 چونکہ اس تاریخ میں ”بکا“ کے سر یعنی ب کا تعمیدہ ہے اس لئے ب کے دو عدد مصرع تاریخ میں بڑھائے جائیں تو سنہ ۱۲۵۳ ہوتے ہیں۔ اس حساب سے تذکرہ اعظم کے بیان اور قطعہ تاریخ میں پانچ عدد کا فرق ہے۔

بصارت

بصارت تخلص - غلام محی الدین نام - فرزند حکیم بدیع الدین -
 ارکات مولد - سنہ ۱۱۹۷ سال ولادت - ان کے والد نواب کرناٹک کی
 سرکار میں ملازم تھے - مگر دادا حکیم محمود حسین اپنے وطن سے باہر
 کہیں نہیں گئے - والد بہ ہمراہی نواب انور الدین خاں شہید ارکات پہنچے -
 بصارت نے علوم صرف و نحو عربی اور طب نظری و عملی حکیم شفا علی
 خاں سے پڑھی - فارسی نظم و نثر کی اصلاح سید مغان حسینی بیٹا اور
 دوسرے اساتذہ سے لیتے تھے - اپنے والد کے انتقال کے بعد ان ہی کی جگہ
 سرکاری شفا خانے میں بہ عہدہ طبابت مامور ہوئے - رنگیں مزاج
 خوش تقریر اور چرب زبان تھے - اشعار کا یہ نمونہ ہے :-

گشت ویراں دل من از ستم آہ و سرشک

خانہ ہستی من کرد خراب آتش و آب *

آب گردیدہ ام از جوش گداز تب عشق

ہست بیرون درونم چو کباب آتش و آب *

می کند صد جا توقف تا بہ چشم می رسد

شاید افتاد از تب دل آبلہ در پائے اشک *

لب تشنہ و تفسیدہ دہاں مردہ ام ای ابر

بر خاکم اگر اشک نہ باری عجب از تو *

سنہ ۱۲۶۴ ہجری میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف

سفر کیا - بینش نے جو شیعہ تھے یہ تاریخی قطعہ کہا :-

دانشمندے نہاد چون زو بعدم

نے نے کہ نجات یافت از بند الم *

تاریخ بحسب اعتقادش جستم

روحش گفتا :- ”غلام محی الدینم“

افسر

افسر خلص - رضا حسین خاں نام - رضا حسین خاں بہادر خطاب -
فرزند سعید حسین خاں جدی - ویلور مولد - سنہ ۱۲۱۹ ہجری
سال ولادت -

خطہ کرناٹک کے سر بر آوردہ جاگیرداروں میں سے تھے - سترہ برس
کی عمر میں مدراس آئے - فارسی کتابیں مولوی واقف اور عارف الدین
خاں رونق سے اور عربی میں میڈی تک مولوی صادق نقشبندی اور
افضل العلماء مولوی ارتضا علی خاں بہادر سے پڑھیں - فن شعر میں بھی
واقف اور رونق کے شاگرد تھے -

منشآت افسری - تحفۃ الانشا اور مختصر سا دیوان اپنی یادگار
چھوڑی - طبیعت میں بلا کی تیزی تھی - اتنے زود فکر تھے کہ ایک ہی
جلسے میں غزل بلکہ قصیدہ کہہ اٹھتے تھے -

کلام کا نمونہ یہ ہے :-

دل آسودہ زلف تو مزین شانہ دگر
خار در سینہ زند ہر سر دندانہ مرا *
بسکہ در شیشہ دل عشق تو افسوں دارد
ابں پری خانہ بود کعبہ و بتخانہ مرا *
جہاں پا مال عشقش حسن روز افزوں تماشا کن
بنامز دلبرے را ہر دم اعجاز مبین دارد *
گرفتارم بدست خیرۃ یعنی دل شیدا
چگویم در بغل پیدا شد این دشمن خدا حافظ *
چو دیدم رنگ ہای عالم افسر
دلے می خواہم از ہستی رمیدہ *

آخر عمر میں امراض و افکار نے ان کے حواس مختل کردئے تھے -
اگلی جودت و ذکاوت باقی نہ رہی تھی - سال وفات معلوم نہوا -

اتنا ضرور معلوم ہے کہ سنہ ۱۲۶۱ ہجری میں گلزار اعظم کی تالیف کے زمانے تک زندہ تھے۔

تمنا

تمنا تخلص - سید محمد حسین نام - فرزند سید امام - وطن و مولد تریاتور - سنہ ۱۲۱۳ ہجری سال ولادت - اپنے والد کے انتقال کے بعد دس برس کی عمر میں چتر بہانچے - وہاں کچھ فارسی پڑھی - پھر مدراس آکر افضل العلماء مولوی ارتضا علی خاں بہادر سے عربی کی تکمیل کی۔

سنہ ۱۲۵۰ ہجری میں حافظ یار جنگ بہادر کی وساطت سے نواب کرفاٹک کی سرکار میں ملازم ہوئے - چندے تاریخ والاجاہی کی تصنیف میں لگے رہے - سنہ ۱۲۶۱ ہجری میں مدرسۂ اعظم کے فارسی مدرس مقرر ہوئے - شرح بوستان المعروف بہ عندلیب بوستان، بدیع الصرف، بدیع الانشا، رسالۃ مناسک الحج موسوم بہ ذخیرۃ العقیدہ فارسی میں اور رسالۃ زیارت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم) ہندی میں تمنا کی یادگار ہیں - شاعری میں جناب افضل العلماء مرصوف سے تلمذ رکھتے تھے۔

کلام کا نمونہ یہ ہے :-

چشم ہر کس منحو گلزار است و چشمم محویار
ہر گیسے مست شراب و من بہ ساقی پر خمار *
کشتہ عشق تو گردید مباهی از خون
بر ستر خویش زخۂ آفتاب شاهی از خون *
تمنا کا سال وفات معلوم نہوا - سنہ ۱۲۶۱ ہجری تک تو زندہ رہے۔

خالص

خالص تخلص - سید محمد نام - فرزند سید صفی اللہ قادری - انگریز وطن و مولد - سنہ ۱۲۳۷ ہجری سال پیدائش - ان کے ختمیہ کا

سلسلہ پندرہ واسطوں سے حضرت قطب ربّانی محبوب سبحانی سیدنا شیعہ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ممالک دکن میں ان کی خاندانی شرافت، شہور ہے۔

ہوش سنبھالنے کے بعد خالص مدراس آئے اور یہاں مولوی شیریں سخن خاں راقم سے تمام درسی کتابیں پڑھیں۔ مشق سخن بھی ان ہی سے کی۔ نواب غلام محمد غوث خاں بہادر نواب کرنالٹ (سنہ ۱۲۴۱ تا سنہ ۱۲۷۲ ہجری) کی بزم مشاعرہ میں باریاب ہوئے۔ نیز اس محفل کی منشی گری اور کتب خانہ سرکاری کی مہتممی پر نام زد کئے گئے۔ فہم سلیم اور طبع رسا رکھتے تھے۔

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے :-

خم ز بار ممت عشقش بود گردن مرا
یک بدخشاں ریخت لعل از اشک در دامن مرا *
خلعت عربانی از شاہ جنونم حاصل است
نیست خالص ہمچو عیسیٰ حاجت سوزن مرا *
ز شمع روشنی گل کرد بر من این سخن خالص
توان دریافتن نور دل از بیداری شب ها *
ربزد بجرم ہمسری مہ جبین من
جلاد آسمان مشفق خون آفتاب *
در گریہ بوسہ لب جانانم آرزو است
نوشیدن شراب بہ بارانم آرزو است *
جوان بہ مقصد خرید میر سد ز صحبت پیر
رود ز فیض کماں بر سر نشانہ خدنگ *
ننگ می داری ز آغوشم چرا ای شعلہ رو
ماء را زیب دگر حاصل شود از ہالہ *

خالص کے انتقال کا سال معلوم نہوا۔ سنہ ۱۲۶۱ ہجری تک

وہ زندہ تھے۔

منور

منور تخلص - سید معین الدین نام - منور رقم خاں خطاب -
فرزند سید عبد القادر خوشنویس - چطور وطن و مولد - سنہ ۱۲۱۷ ہجری
سال ولادت -

آپ کے والد سرکار کرناٹک میں ملازم تھے - منور کم سنی میں
اپنے والد کے ہمراہ مدراس آئے اور یہیں مقیم ہو گئے - عربی اور فارسی کی
ضروری تعلیم پائی - فن خطاطی میں کمال پیدا کیا - سنہ ۱۲۴۰ ہجری میں
نواب کرناٹک کے دربار میں دارالانشا کے منشی مقرر ہوئے - اس کے بعد
کچھری دیوانی مال کے منشی مقرر کئے گئے -

اس سے زیادہ آپ کا کوئی حال معلوم نہوا - آپ کے کلام کا
یہ نمونہ ہے :-

بہ محفلے کہ رخس نور بخش انظار است

ہزار دیدہ چو آئینہ نقش دیوار است *

رو بروے جلوۂ رخسار آن خورشید رو

سر بسر آئینہ از خجلمت در آب استاده است *

مگر باشد ہوائی شمع رویش در سرش ہر دم

کہ آتش در جگر افتاد فانوس خیالی را *

سال وفات معلوم نہوا - تذکرۂ گلزار اعظم کی تالیف

(سنہ ۱۲۶۹ ہجری) کے زمانے میں وہ زندہ تھے -

آگاہ

آگاہ تخلص - علی رضا خاں نام - ضیاء الدولہ خطاب - فرزند
حسین دوست خاں بہادر شمس الدولہ عرف چندا صاحب - ارکات مولد -
سال ولادت معلوم نہوسکا .. شرفا اہل نواہط میں سے تھے - بڑے ذی مروت
اور فیاض تھے - جب اپنی ریاست میں خلل پڑا اور تمام کار و بار درہم
ہو گیا تو میسور گئے - حیدر علی خاں والی میسور نے از راہ شرفا نواہط

بخشی گری کی خدمت عطا فرمائی۔ مدت تک اسی عہدے پر سرفراز اور میسور ہی میں مقیم تھے۔ ایک روز سواروں کا جائزہ لیتے ہوئے ایک سوار سے کہا کہ ”میں تجھکو یابو رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا“۔ سوار نے برجستہ جواب دیا کہ ”جب کوئی نواب اپنے رتبے سے گزر کر بخشی ہونا منظور کر لے تو کوئی سوار اگر گھوڑے کے عوض یابو رکھ لے تو اُس پر کیوں اعتراض کیا جاسکتا ہے“ یہ فقرہ سنکر ان کے دل پر سخت چرت لگی۔ نوکری چھوڑ کر مرہٹہ واپس کی طرف چل گئے۔ وہاں کے پیشواؤں میں سے بھاؤ نامی پیشوانے اُن کی مدد کی اور ان کی ضروریات کے موافق جاگیر دے دی۔ زمانہ دراز تک وہاں ایسے پیر باندھ کر بیٹھے کہ مرکز ہی آتھے۔

آگاہ کے یہ دو شعر بطور نمونہ حاضر ہیں:-

از دہر آنچه حاصل اسباب کردہ ایم

قصرے بلند بر رے سیلاب کردہ ایم *

بہ ہفتاد و دو ملت آشنا شد طبع آزادم

چراغم - محفل - آئینہ ام حسن پری زادم *

آگاہ کا سال رحلت معلوم نہوا۔

جوہر

جوہر تخلص - قادر حسین نام - فرزند شہین داؤد جوہری -

ناگور شریف مولد - سنہ ۱۲۳۳ ہجری سال ولادت ہے -

آپ میاں محمد قاسم عمدۃ التجار ناگوری کے بھانجے تھے -

چھوٹی ہی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ مدراس آ گئے - جب ہوش

سنبھالا تو شہر کے اہل علم و فضل سے فارسی درسی کتابیں پڑھیں -

ان ہی حضرات سے مشق سخن بھی کی - شیریں سخن خاں راقم نے

جوہر آپ کا تخلص تجویز فرمایا -

درسی کتابیں خوب از بر تھیں - جو کچھ اپنے استادوں سے

سنا تھا، اسی طرح ان کتابوں کو اپنے شاگردوں کو پڑھاتے تھے -

نواب غلام محمد غوث خان بہادر نواب کرنالک نے جو مشکل
مساعروں کا نام غوثانی تھی، اُس میں اکثر جوہر بھی شامل ہوتے تھے۔
نواب معذوح کی سرکار سے انہیں کچھ تنخواہ بھی ملتی تھی۔
کلام کا نمونہ یہ ہے :-

دل پُر جوش میں دانست شرح جوہر فردش
چو آمد در نظر رنگِ مسی بالائے آن لبِ ہا *
برد حسنِ عارضِ دلدار خطا شد کسوفِ آفتاب یار خطا *
بہ جنوں زندہ شوقِ ابروی قوازل
ز جوہر است برنجیر آبِ دریم تیغ *
ہلال وار شدہ جسم جوہر لطیف
ز بسکہ خورد ز دست تو زخمِ پیہم تیغ *
جوہر کا سال وفات معلوم نہوا۔ مؤلف عاصی کی بسم اللہ خوانی
یعنی سنہ ۱۲۱۲ ہجری تک بقید حیات تھے۔

فصل ہشتم

فارسی گو شعراء جو مدراس میں پیدا ہوئے ۔

افصح

افصح تخلص - حسین علی نام - محمود علی خاں خطاب -
فرزند حاجی محمود علی خاں فیاطی - ان کا مولد مدراس ہے - سال ولادت
معلوم نہ ہو سکا -

افصح کے حقیقی چچا حسین محمد خاں چودھری نواب والا جاہ
بہادر فرماں روائی کوناٹک (سنہ ۱۱۶۴ تا سنہ ۱۲۱۰ ہجری) کے
مدارالمہام تھے - افصح نے اساتذہ وقت سے فیض تعلیم اٹھایا -

جب سنہ ۱۲۱۰ ہجری میں نواب عمدة الامراء بہادر المتخلص
بہ ممتاز فرماں روائی کوناٹک ہوئے ، افصح نے حضرت ملک العلماء بحر العلوم
قدس سرہ کی وساطت سے نواب ممدوح کی خدمت میں باریاب
ہو کر اردو زبان میں ایک قصیدہ پیش کیا جس کا یہ مطلع ہے :-

ہر ذرۂ بے قدر کو خورشید بنانا

یہ کلم تو تیرا ہی ہے ممتاز زمانا *

اس کے صلے میں نواب موصوف نے افصح کو افصح الشعراء کا خطاب
عطا فرمایا - فن شعر میں مولانا باقر آگاہ سے تلمذ تھا - طبیعت میں
تیز ، شوخی اور ظرافت تھی -

کلام کا نمونہ یہ ہے :-

از قتل دشمنان علی ہر مدار دست

بہر حمایت تو رسد صد ہزار دست *

نیست سروے کہ لب جو پیدا ست

نظیر آہ ز گلستان سر است *

دل از ہر تو صہر علی خورشید گردیدم

بیک جام ولایت مرشد جمشید گردیدم *

محور خار آں پری زادم
 مثل آئینہ حیرت ایجادم *
 جان من عشق مرتضیٰ دارد
 محو او گشتہ حیدر آبادم *

افصح کی تاریخ وفات معلوم نہ ہوئی - سنہ ۱۲۱۰ ہجری میں
 نواب عمدۃ الامراء بہادر کی مسند نشینی تک زندہ تھے -

انور

انور تخلص - نور الدین محمد نام - نور الدین محمد خاں بہادر
 حشمت جنگ خطاب - فرزند ابوالمعالی خاں گویامروی - سنہ ۱۱۶۰ھ
 سال ولادت -

آپ کے نانا نواب محمد محفوظ خاں بہادر شہامت جنگ
 نواب والاجہ فرماں رواے کرناٹک کے بڑے بھائی تھے - انور نے اپنے زمانے کے
 علماء سے عربی و فارسی کی ضروری درسی کتابیں پڑھیں - اس کے بعد
 نواب والاجہ جنت آرام گاہ کے عہد میں پہلے تنجاور کی خانسامانی اور پھر
 نلور کی فوجداری پر مامور ہوئے - بعد کو ونکٹاچلم عامل نلور کے قتل کے جرم
 میں چندرگیری کے قلعے میں قید ہوئے - قید کے زمانے میں چھ مہینوں
 کی تھوڑی سی مدت میں قرآن مجید حفظ کر لیا - نواب والاجہ بہادر
 کے حضور میں اس واقعے کی اطلاع کے ساتھ معافی قصور کی عرضداشت
 پیش کی - اتفاق سے وہ مہینا رمضان شریف کا تھا - نواب صاحب نے
 حکم دیا کہ وہ ختم شبینہ سنائیں - انہوں نے تعمیل حکم کی -
 نواب صاحب قرآن مجید سنکر بہت خوش ہوئے اور انہیں دوبارہ
 نلور کی فوجداری مرحمت فرمائی اور پلٹا ڈاورنگول کی فوجداری بھی اس کے
 ساتھ عطا فرمائی -

نواب عمدۃ الامراء بہادر فرماں رواے کرناٹک نے انور کو محمد پور
 عرف ارکات کا نائب صوبہ دار مقرر کیا اور حشمت جنگ کا خطاب
 بھی عطا ہوا - ایک ہی سال کے بعد معزول ہوکر مدراس واپس آگئے -

انور شاعری میں مولانا باقر آگاہ کے شاگرد تھے۔ طبیعت بہت
موزوں تھی اور حق یہ ہے کہ خوب کہتے تھے۔

نواب والاجہ بہادر کی سترویں سالگرہ کے موقع پر انور نے یہ دو شعر
مستزاد کے پیش کئے :-

از نقد بقاسکہ عطا کرد ترا رب الارباب
کردی ہفتاد صرف در راہ خدا با صدق و صواب
از وعدہ ایزدی کہ یک را بعوض دہ می بخشد
ہفصد حق تست بعد از ان لطف و عطا و ہواوہاب
دریا دل نکتہ رس نواب نے انور کا منہ موتیوں سے بھر دیا۔
انور کبھی کبھی دل بھی تخلص کرتے تھے۔ یہ ان کے اشعار کا
نمونہ ہے :-

طبیدن ہلے دل می آرد از عشرت نوید اینجا
مگر قرباں شدن باشد مبارکباد عید اینجا *
تو در صد پردہ و من سوختم از پر تو حسنت
مگر آئینہ آتش شد از عکس تو حائل ہا *
گفتہ ام کردی قرار وصل گیسو شاہد است
گفت این باور نمی آید کہ ہندو شاہد است *
طُرّہ اش امشب پریشانست ای دل نالہ
لیلۃ القدر است اظہار تمنا کردن است *
گریہ ام چشم ترا جوش سرور افزاید
سیر در عالم مستی بلب آب خوش است *
صحبت ناراستان نار است سازد مرد را
می نماید چہرہ را مرآت نا ہموار کی *
مباد از نالہ ام چشمت شود بیدار می ترسم
من از بیداری این فتنہ ہا ہستیار می ترسم *

سحر زمیں گل و بلبل کند بگلشن مشق

یکے دریدن جیب و دگر کشیدن آہ *

انور نے سنہ ۱۲۱۲ ہجری میں راہ دار البقا اختیار کی۔ میلاہور کے راستے میں حضرت شیخ محمد مخدوم ساوی قدس سرہ کے گنبد کے پاٹیں سپرد خاکہ کئے گئے۔

ماجد

ماجد تخلص۔ محمد علی حسین نام۔ تاج الامراء امیر الملک ذوالفقار الدولہ محمد علی حسین خاں بہادر ظفر جنگ خطاب۔ فرزند نواب عمدۃ الامراء بہادر فرماں رواہ کرناٹک (سنہ ۱۲۱۰ تا سنہ ۱۲۱۶ ھ) مدراس مولد۔ سنہ ۱۱۹۸ ہجری سال ولادت ہے۔

نو سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کر کے فارسی کی چند رسمی کتابیں بھی پڑھ لیں۔ اسی میں کچھ شعر و شاعری کے طرف توجہ ہو گئی اور قصائد عربی، دیوان ناصر علی، دیوان اسیر اور چند اساتذہ قدیم کا کلام بغور مطالعہ فرمایا اور شعر کہنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ قریباً چار ہزار شعر کا ایک دیوان مرتب کر لیا۔ جب اس پر نظر کرنے بیٹھے تو کچھ سقم نظر آئے۔ دوستوں کے مشورے اور ترغیب سے سارے دیوان کو غرق آب کر دیا۔ اب اساتذہ متاخرین کے دیوانوں اور تذکروں کا مطالعہ شروع کیا اور شعر میں اُن ہی کی تقلید کی۔ مولانا باقر آگاہ کو اپنا کلام دکھاتے اور اصلاح لیتے تھے۔ جب مشق سخن بڑھ گئی تو اپنے آپ سے اتنے مطمئن ہوئے کہ بعض موقعوں پر استاد آگاہ کی اصلاح کو ناپسند کر کے ایفہ ہی شعر کو بھلہ بجالا رکھنے لگے۔ اس گستاخی کی اطلاع استاد کو پہنچی تو انہوں نے شاگرد کی اصلاح سے ہاتھ کھینچ لیا۔ نواب عمدۃ الامراء بہادر کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ بہ نفس نفیس صاحب زادہ کو مولانا آگاہ کی خدمت میں لے گئے۔ ان کی خطا معاف کرائی اور بدستور اصلاح جاری رکھنے پر اصرار کیا۔ مگر یا تو مولانا اپنے شاگرد سے صافہ نہیں ہوئے یا یہ امر واقعہ

تھا کہ آپ نے حضور نواب صاحب سے یہ عرض کیا کہ ”صاحب زادہ کو اب اصلاح کی ضرورت باقی نہیں رہی“ ورنہ ضرور تعمیل حکم کرتا۔ اس واقعے کے بعد ماجد تبدیل مذہب کر کے شیعہ ہو گئے۔ یہ اور بھی نمونے پر سہاگا ہوا۔ کچھ اختلاف مذہب، کچھ اپنی قابلیت کا غرہ تھا کہ مولانا آگاہ کی نسبت سے ادبانہ جو کچھ چاہتے کہہ بیٹھتے۔ اسمی پر بس نہیں کیا بلکہ اُسناد کے دیوان پر جا بجا اعتراضات کئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ فعل اُن کے کسی مصاحب کا تھا۔ بہر حال جب اُس کی اطلاع مولانا کو پہنچی تو انہیں اتنا صدمہ ہوا کہ ماجد کے حق میں بد دعا کی اور فرمایا کہ ”دیکھ لینا عنقریب علی حسین نوجوانی میں دنیا سے ناشاد و نامراد اٹھ جائیگا“۔ چنانچہ یہی ہوا کہ وہ عین عذوان شباب میں کہ اتھارے برس کے تھے رحلت کر گئے۔ اس کے علاوہ حسب سلسلہ ۱۲۱۶ ہجری میں نواب عمدة الامراء بہادر کا انتقال ہوا تو سرکار انگریزی نے ماجد کو نواب نہیں بنایا اور خود براہ راست ملک کرناٹک کو اپنے قبضے میں لے لیا اور نواب عمدة الامراء بہادر کے حقیقی بھتیجے نواب عظیم الدولہ بہادر (فرزند نواب امیر الامراء بہادر) کو محض اعزازی نواب بنا دیا۔

خاندان انوریہ میں ماجد جیسا نازک خیال شاعر کوئی اور پیدا نہیں ہوا۔ عجیب دماغ تھا۔ بلا کی طبیعت تھی۔ نامور شاعروں اور باکمال استادوں کے چالیس دیوان شروع سے آخر تک پڑھ کر ان پر تنقید کی۔ کسی پر اعراض کیا اور کسی کو اصلاح دی۔

قصائد کا ایک دیوان، غزلیات کے دو دیوان اور ایک مثنوی ماجد کی بلند فکری اور علوے تخیل کی نشانیاں ہیں۔ ان میں کہیں ماجد تخلص کیا ہے اور کہیں حسین۔

اُن کے کلام کا یہ نمونہ ہے :-

اگر راحت طلب باغی اسیر رنج خواہی شد
کہ خفتی برق باشد هرمن عیش زلیخا را *

در فراقتم راحتم با رنج مي گردد بدل
 به تو ام مانند چراغ خانه چشم شمير را *
 نيست در ديوان سودا همچو من بيتي كه يار
 بر سرم زد نقطه هائي انتخاب از سنگ ها *
 ماجد از كف هيجگه مگذار دامان وطن
 از شكستن دور باشد تا بود گوهر در آب *
 نبود عجب اگر ز پدر خوب شد پسر
 ماجد ز سنگ شيشه و آئينه بهتر است *
 كس به تقليد چون بزرگ شود
 كوه تصوير را گراني نيست *
 جان من در طيش از درد دل زاري هست
 نيست آرام دران خانه كه بيماري هست *
 محفل صاف دلاں نيست به سامان محتاج
 خانه آئينه نبود به چراغان محتاج *
 شبي كه در كفم آن گيسوي زرافشان بود
 بكوچه هائي كف دست من چراغان بود *
 مسافران عدم را چه لذتي است بخواب
 كه هر كه چشم به پوشيدگاه باز نكرد *
 زبس نازك دماغ است آن پري ، در محفل و شامش
 به عرض حال چون چشم بتان گوياي خاموشم *
 به پيشم آمدي وا كردم از خميازه آغوشه
 مكن هرگز تغافل اين اشارت را چو مي داني *
 ماجد نے سنہ ۱۲۱۶ ہجری میں وفات پائی ۔ 'امیر الملک'
 ماجد نو جوان رفت ، تاریخ وفات ہوئی ۔

منہگار

منہگار تخلص - محمد انور نام - سیف الملک انور الدولہ محمد انور خاں بہادر حسام جنگ خطاب - فرزند سوم نواب والاحاجہ فرمان رواے کرناٹک - سنہ ۱۱۶۶ سال پیدائش ہے - آپ بہت بڑے شاہ سوار تھے - عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی نے آپ کو بذریعہ فرمان منصب شش ہزاری ذات و شش ہزار سوار، خلعت ملبوسی خاص، جیفہ و سر پیچ مرصع، ماہی و مراتب، پالکی جہازدار اور خطابات مندرجہ بالا سے سرفراز فرمایا تھا - سادات و فقرا سے آپ کو دلی عقیدت تھی اور ان کی خدمت کو اپنی سعادت و فلاح دارین کا باعث جانتے تھے -

آپ نے فارسی کی درسی کتابیں میر اسمعیل اجدی اور میر علی مردان یکدل سے پڑھی تھیں - بعد کو فن عروض و قافیہ، علم عقاید و فقہ اور طب میں بھی استعداد پیدا کی - خوش نویس بھی بہت اچھے تھے - شاعری میں اجدی سے تلمذ تھا - ایک چھوٹا سا دیوان اپنی یادگار چھوڑا -

کلام کا یہ رنگ ہے :-

آئین دلبری نبود بے حجاب را
جز رنگ بوے نیست گل آفتاب را *
از بوالہوس صحبت قلبی طمع مدار
نتوان گرفت از گل کاغذ گلاب را *
بسکہ ضعف و ناتوانی آشنایم گشتہ است
جادہ از بے طاقتی زنجیر پایم گشتہ است *
بہر قطع آرزو ہاے جہاں از خاطر م
جنبش مؤکلان جاناں کار صد شمشیر کرد *
بہ نیم غمزہ توانی کہ قتل عام کنی
نعوذ باللہ اگر غمزہ را تمام کنی *

سنہ ۱۲۱۸ ہجری میں اس تنگناے عالم فانی سے فسحت آباد
عالم باقی کے طرف رحلت کی - نعت ترچہ پالی بھیجی گئی اور نواب
والاجہ بہادر کے پاؤں دفن کی گئی -

اسد

اسد تخلص - اسد الدین نام - اسد الدین خان بہادر خطاب -
فرزند علاء الدین خطیب مسجد میلاپور - مدراس مولد - سنہ ۱۱۷۷ ہجری
سال ولادت -

اسد کے نسب کا سلسلہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی ' پیر و مرشد
حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ
عنہما تک پہنچتا ہے -

میر ابجدی سے عربی اور فارسی درسی کتابیں پڑھیں - پھر اور
اساتذہ عصر سے استفادہ کیا - اپنے زمانے کے فاضلوں میں شمار ہوتے تھے -
اعلیٰ درجے کے افشا پرداز تھے - فن خوش نویسی میں بھی کمال حاصل تھا -
نواب عمدۃ الامراء بہادر فرماں رولے کرناٹک نے ازراہ قدر دانی اُن کو
منشی گری کی خدمت مرحمت فرمائی - خان بہادر کا خطاب بھی دیا -
غزل ذیل اسد کے کلام کا نمونہ ہے :-

شمس یک قبتہ ایوان من است * ماہ یک شمع شبستان من است
صبح یک چاک گریبان من است * شام یک آہ پریشان من است
بسکہ از درد فراقش گریم * بحر یک قطرہ طوفان من است
مہر با این ہمہ نور افشانی * ہر تو ماہ درخشان من است
ہفت اوراق سپہر گرداں * فردے از دفتر عصیان من است
نیست ہر چرخ بریں ابر سیاہ * گرد افشاندہ دامن من است
اے اسد عشق علی می دارم * بس ہمیں مایہ ایمان من است

نواب عمدۃ الامراء بہادر کے انتقال کے بعد اسد بوجہ پیرانہ
سری خانہ نشین ہو گئے - سنہ ۱۲۳۴ ہجری میں آسائش دوامی کے لئے
دنیا سے بلا لئے گئے -

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۰	سلطان محمد علی قطب شاہ	۱۵۵	تامی
۱۹۱	سلطان محمد قطب شاہ	۱۵۶	ناظر
۱۹۲	سلطان عبداللہ قطب شاہ	۱۵۷	پیش
۱۹۲	ولی	۱۵۹	شمس
۱۹۵	داؤد	۱۶۰	علیم
۱۹۶	سراج	۱۶۱	حیران
۱۹۹	باشی	۱۶۳	اختہ
"	فتوت	۱۶۳	احمدی
۲۰۱	فصل دوم	۱۶۴	نہر
"	منت	۱۶۵	بلخ
۲۰۲	بیان	۱۶۶	ہجت
۲۰۴	لطف	۱۶۸	خشت
۲۰۵	نفس	۱۶۹	راغب
۲۰۷	شیر	۱۷۱	راشم
۲۰۸	عزت	۱۷۳	ردنق
۲۰۹	کرم	۱۷۳	فاروق
۲۱۰	ممتاز	۱۷۵	حظ
۲۱۲	فصل سوم	۱۸۱	نظیر
"	نصرتی	۱۸۲	خادم
۲۱۴	ممتاز	۱۸۳	داصف
۲۱۸	تادر	۱۸۴	عظیم
۲۲۱	باب سوم	۱۸۶	حسن
"	نکری	۱۸۷	اکرم
۲۲۲	سیح کاشی	۱۸۸	ثاقب
۲۲۴	نقیہ	۱۹۰	باب دوم ریحۃ گو دکنی شعراء
۲۲۵	ماتل	"	فصل اول

نامی

نامی تخلص: غلام اعز الدین نام۔ غلام اعز الدین خاں بہادر مستقیم جنگ خطاب
فرزند حامد علی خاں گوپاموی۔ مدراس مولد ۱۲۸۷ھ ہجری سال ولادت (غلام علی)
آپ کا تاریخی نام ہے۔

عربی میں قطبی اور میر تک اور فارسی تمام درسی کتابیں مختلف اساتذہ
عصر سے پڑھیں۔ فن شعر میں مولانا آگاہ سے ملند تھے۔ استاد کے بڑے منظور نظر
تھے۔ عربی، فارسی اور ریختہ میں شعر کہتے تھے۔ چنانچہ شنوی خسرو و شیریں اور
شنوی یلیا و مجنون ریختہ میں آپ کی تصنیف ہیں، بعض بزرگان دین کے کشف
و کرامات و حالات بھی نظم کئے۔ کبھی نامی اور کبھی مستقیم تخلص کرتے تھے ہمیشہ
مذہب باطلہ کی تردید فرماتے رہتے تھے۔

نواب عودۃ الامراء بہادر فرمان رواے کرناٹک کے زمانہ دولت
میں نامی کی قسمت ایسی چکی کہ نواب بہادر نے ان کو ملک الشعراء کا خطاب
مرحمت فرمایا۔

ان کے فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے :-

بندهٔ حسینم و شد سرگشتگی عنوان ما
کا کلِ خوباں بود بسم اللہ دیوان ما

مگر از کشتہٗ آن غنچہ لب حرف بہ لب ارد
کہ خوب آلودہ دیدم ہچو گل منتظر بلبل را

نہیت از جورِ عدو روشن ضمیرانِ خل
ایمن از آسیبِ گل گیر است شمعِ ماہتاب

بر کا کاش نہ رسد زلفِ مہرِ شانِ دگر
کہ ہر شبے نہ بود ہمہ شبِ معراج

گر نیست سہر لالہ رخاں در سہر طاؤس
چو داغ چراشد چو دم پیکرِ طاؤس

چشم من در بہ یادِ رویش ریخت
می توان گفت، ہست دریا دل

ز شہر ترساند اگر زابد نہ می رنجم بہ عشق قند لعلش از مریدانِ شکر گنجم

نیابی حق بغیر از دور دل زین سبب گردانی بہ از صد دانہ باشد دانہ اشکے اگر داری

بجز عشقتش نہ دارد این دل دیوانہ فقیر بغیر از زلف و پرباشش نہ باید کرد زنجیر

نای نے مسندِ بھری میں انتقال کیا۔

ناظر

ناظر تخلص۔ غلام عبدالقادر نام۔ قادر عظیم الدین خاں بہادر خطاب۔ فرزندِ غلام محی الدین معجز۔ مدراس کے مسندِ بھری سال ولادت ہے۔

فارسی اپنے والد اور میر جعفر علی سے اور چند عربی کتابیں اپنے زمانے کے اساتذہ سے پڑھیں۔

نواب عظیم الدولہ بہادر نواب کرناٹک نے اپنے ابتدائی زمانے میں ناظر کو دربار کا منشی اور کتب خانہ سرکاری کا داروغہ مقرر کیا اور قادر عظیم الدین خاں بہادر کا خطاب مرحمت فرمایا۔

جب نواب اعظم جاہ بہادر رضوان آباد اپنے زمانہ ریاست میں حضرت قادر ولی اور حضرت شہر ولی قدس اسراہما کی مزارات کی زیارات کے لئے تشریف لے گئے تو ناظر کو بھی ساتھ لیا اور ان کو روزانہ حالات سفر قلم بند کرنے پر متعین فرمایا۔ واپسی کے بعد ناظر نے یہ سفر نامہ بنام ”ہمسار اعظم جاہی“ مرتب کر کے نواب مدوح کی خدمت میں پیش کیا۔

اس سفر نامے کے علاوہ شرح بوستان مستقیمی، ”خلستان“ شرح یوسف زلیخا مستقیمی، ”روضہ دل کشا“ اور شرح سکندر نامہ بھی لکھی۔

اشعار کا نمونہ یہ ہے:

تیر مژگاں را پداف کردی بہ من حق ایں الطاف بر من موبواست

دیدہ ناظر ما ابرصفت می گرد برق سائ می زند آں شوخ شنگر چمک

چون گشت یار من بد خط سبز جلوه گر بر خط دل بران جهان خط کشیدہ ام

بستہ ام خاطر خود بازلفت مثل زنجیر مکن در بدرم

سلسلہ ہجری میں ناظر نے وفات پائی۔

بینش

بینش تخلص۔ سید مرتضیٰ نام۔ فرزند میر صادق علی حسینی۔ مدراس مولد۔ ۱۲۲۶ ہجری سال ولادت ہے۔

آپ نے فارسی کی تمام کتب متداولہ اور شرح ملا جامی تک عربی کتابیں اساتذہ عصر سے پڑھیں۔ آپ کی ذہانت، خوش تقریری اور حاضر جوابی مشہور ہے۔ فن شعر میں اپنے بھائی ثاقب اور مولوی داف کے شاگرد تھے۔

نواب غلام محمد غوث خاں بہادر نواب کرناٹک نے مجلس مشاعرہ اعظم قائم فرمائی تو بینش حیدرآباد سے آکر میر مجلس کی اجازت سے اس میں شریک ہوئے۔ چند روز کے بعد نواب بہادر کی سرکار ان کی کچھ تنخواہ بھی جاری ہو گئی۔

۱۲۶۵ھ میں بینش نے نجف اشرف، کربلا، معلیٰ اور کاظمین شریفین کی زیارات کے ارادے سے نواب حمود الشان سے تین سال کی رخصت لی۔ مشاعرے میں آکر آئندہ نہ حاضر ہو سکنے کا معذرت نامہ ۱۴ اشعار کا پڑھا اور روانہ ہو گئے۔ اثنائے سفر میں سخت بیمار ہوئے۔ اللہ اللہ کر کے کربلائے معلیٰ پہنچے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی روح نے اس نفس غنصری کو چھوڑ دیا۔ خوش قسمت ایسے تھے کہ

روضہ مقدسہ کا صحن مدفن کے لئے نصیب ہوا۔ اور یوں اُن کے اس شعر کا مضمون صادق آیا۔ جس کو وہ برسوں پہلے لکھ چکے تھے :

بنیش بہ کربلاست بہ یاد تو یا حسینؑ پابند گر یہ ہست بہ ہندوستان منور
یہ بیان تذکرہ گلزار اعظم سے ماخوذ ہے۔ لیکن تذکرہ محبوب الزمن
میں لکھا ہے کہ "بنیش ۱۲۶۵ھ میں مکہ معظمہ گئے۔ حج و زیارت سے
مسترف ہو کر ایک سال بعد مدراس واپس آئے اور وطن میں انتقال
کیا۔" یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ بنیش نہ حرمین شریفین گئے نہ وہاں سے
واپس آئے۔ بلکہ صحیح واقعہ یہ ہے کہ وہ عراق گئے تھے اور کربلائے
معلیٰ میں انتقال ہوا۔ بنیش جناب نواب غلام محمد غوث خاں بہادر
کے درباری، ملازم اور مدراسی الاصل تھے۔ لہذا گلزار اعظم کا بیان
زیادہ متعبر ہو سکتا ہے۔

بنیش نے ایک تذکرہ بہ نام "اشارات بنیش" لکھا تھا جو نواب
موصوف کے سرکاری مطبع میں طبع ہوا ہے۔

کلام ملاحظہ ہو :
یر تو گزشت از لب من، زخم عیانست گشتی بہ ادائے کہ خبر نیست قضا را

ز مشرق تا بہ مغرب سیر دارم بچو کوکب نہ سازد راہ گم روشن دل از تاریکی شب

آزادہ زبند تو در روزگار نیست عنقا ست طائرے کہ بہ دامت شرکارت

نہ بود حسن خدا داد بہ سامان محتاج کے بہ آرایش ظاہر شدہ قرآن محتاج

صبر از دل، دل ز من، من از دربارم جدا کس مباد در جہاں چوں من پریشان روزگار
در صنعت ذو بحرین و ذو قافیتین می فرماید :
سہر شد از روئے تو بازار گل زرد شد از خوی تو رخسار گل

شمس

شمس تخلص۔ غلام عبدالقادر نام۔ شمس الدولہ۔ غلام عبدالقادر خاں بہادر
اعتقاد جنگ خطاب۔ فرزند نواب عظیم الدولہ بہادر رحمت مآب نواب کرناٹک
مدرس مولد۔ ۱۲۳۱ھ سال ولادت ہے۔

آپ کو بہترین علماء عصر و فضلاء دہر سے تلمذ تھا۔ ظاہری وجاہت
کے ساتھ حسن اخلاق سے بھی متصف تھے۔ چہرے سے امارت کے آثار
نمایاں اور بات چیت سے فراست کے اطوار عیاں تھے۔
ایک دفعہ بعض دوستوں کی ترغیب سے حیدر آباد گئے، مگر کچھ
دن تکلیف اٹھا کر واپس چلے آئے۔

فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں ایک مختصر سا دیوان اور (۱) انشا
بہارِ اعظم (۲) انشائے شمس آپ کی یادگار ہیں۔

کلام یہ ہے :

سیرِ سنبل نہ کند جمیع دلم را ہرگز یاد زلف تو مرا بس کہ پریشاں دارد

چونبضِ آخر طیبان را طیبیدن می شود پیدا اگر بیند این حالِ پریشانی کہ من دارم

بچو سودا ز دکان حرفِ پریشان گویم کردہ آشفۃ ز بس کا کلِ پیچان کسے

نصیبِ کسیت یا رب ان مبتِ عیار سرگوشی مگر آن طلقہ گوشش کند بایا سرگوشی

داغِ عنان صبرم یکسر رود ز دستم ترکم نہ ساد اکنوں پا در رکاب نینے

۱۲۶۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ مسجد والا جاہی ترلکھنوی
مدرس کے صحن میں دفن ہوئے۔

علیم

علیم تخلص۔ محمد علیم اللہ نام، مفید الدولہ محمد علیم اللہ خان بہادر پیروز جنگ خطاب۔ فرزند نواب عظیم جاہ بہادر غفران مآب (اول پرنس آف آرکاٹ) مدراس مولد ۱۲۸۵ھ سال ولادت ہے۔

فارسی کی چند درسی کتابیں پڑھنے کے بعد ہی شعر گوئی کی طرف طبیعت مائل ہو گئی۔ بنیش سے تلمذ تھا۔ خط شکستہ بہت اچھا لکھتے تھے۔

آپ کا کلام منتشر تھا۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے علاقی بھائی۔ عمدۃ الدولہ محمد نور اللہ خان بہادر جرأت جنگ نے مرثیہ کیا۔
نمونہ کلام یہ ہے :-

اگر طالع بود بیدار غفلت کار ما دارد کہ رہبر بہتر از خواب گران نبود زین را

شوخی آن مرثیہ بے پروا طاہر شوق مرا بال و پر است

بردار دل ز ہر دو جہان بایگانہ بند چون تیر از دو خانہ نظر بر نشانیہ بند

گر تو می خواہی کنی مسیر عدم محو دیدار میان یار باش

داغ مانے دل من گلزار است در خزان طرفہ بہانے دارم
ریشک گل رنگ ز چشم ریزد در نظر لالہ عذارے دارم

رباعی در تیانج جلوس نواب غلام محمد غوث خان بہادر المتخلص بہ اعظم نواب کرتاٹک :-

بنشست برادر نگ شہ اعظم ما فرخندہ شود از کرم رب محمد
تیانج جلوس من ز سر آداب بدان بردوش ولایت قدم غوث سید

شہ اس مصرعے سے یہ طریقہ ذیل تاریخ حاصل کی گئی ہے :-

دوش ولایت ۵۵۰
قدم غوث (یعنی شہ) ۵۰۰
سرآداب (یعنی انفا) ۱
(جلد ۵۸ ۱۱۳)

۱۲۶۶ھ میں انتقال کیا۔

حیران

حیران تخلص۔ محمد عی الدین نام۔ مدراس مولد۔ ۱۲۱۰ھ ہجری سال ولادت ہے۔
حیران کے دادا فقیر محمد کرنول کے باشندے اور نواب عمدۃ الامراء بہادر
فرمان ردائے کرناٹک کے داروغہ مطیع تھے۔ عربی و فارسی کی استعداد بہت اچھی
تھی۔ شاعری میں مستقیم جنگ بہادر نامی نیز بعض دیگر اہل زبان حضرات سے
مستفیض ہوئے۔ فارسی نحو اور محاورہ دانی میں انھیں کامل دستگاہ حاصل تھی
چنانچہ اس فن میں آپ کی کتاب تحقیق القوائین اس کی زبردست شاہد ہے
یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ زبان اردو کے دقائق کی تنقیح اور علم موسیقی میں
یدِ طولے رکھتے تھے۔

ابتدا میں انگریزوں کے منشی تھے۔ اسی تقریب سے مختلف شہروں کی
سیر کی چند روز حیدرآباد میں بھی قیام رہا۔ آخر مدراس واپس آئے۔
۱۲۵۵ھ ہجری میں حرمین شریفین (زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً) کی زیارت
سے مشرف ہو کر وطن واپس ہوئے۔

کلام یہ ہے :
محو دیدن دیدہ ام چون دیدہ تصویر شد اشتیاق دیدت از بسکہ دامن گیر شد

کجا سرت بے تو قرارے بہ جان محزونم کہ یادِ لیلی زلفِ تو کرد مجنونم

ز آسایشِ عمر بیگانہ گشتہ ہر آن کسک شد آشنائے جوانی

گریزانم از اختلاطِ عزیزاں کشیدم ز بس رنج ہائے جدائی

۱۲۶۴ھ ہجری میں وفات پائی۔

احقر

احقر تخلص۔ سید نظام الدین نام۔ فرزند سید عبد القادر خوش نویس۔ مدرس مولد اور سنہ ہجری سال ولادت ہے۔

فارسی کی درسی کتابیں مولانا باقر آگاہ، معجز، مستقیم جنگ نامی اور اظہری جیسے نامور اساتذہ سے پڑھیں۔ فن شعر میں بھی ان ہی حضرات سے استفادہ کیا۔ خوش نویسی اور نقاشی کا فن اپنے والد سے حاصل کیا۔ نواب عظیم الدولہ بہادر رحمت مآب نواب کرناٹک رحمتہ علیہ (سنہ ۱۲۳۳ ہجری) نے از راہ قدر دانی احقر کو محکمہ عالیہ کی میرمنشی گری عطا فرمائی اور اپنے خلف اکبر، نواب اعظم جاہ بہادر رضوان مآب کی مصاحبت پر بھی سرفراز فرمایا۔ بعض حاسدوں کی شرارت و پرخاش سے مجبور ہو کر سنہ ۱۲۳۳ ہجری میں اپنی خدمتوں سے مستعفی ہو کر ملیبار چلے گئے۔ وہاں راجہ رام راج بہادر شمشیر جنگ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور میرمنشی بنادیا۔ اس قریب سے وہیں سکونت اختیار کر لی۔

فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ ایک چھوٹا سا دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ اس کے علاوہ فن انشاء میں ایک رسالہ بنام نظام الانشاء لکھا تھا۔

ان کی شاعری کا نمونہ یہ ہے :-

میل تقوے کے شود ناصح من متاذا را خوشہ انگور دانم سبھ صد دانہ را

در شگفتن شد برنگ گل دل چاک چاک با بہار آمد خزاں بہیات در لبان ما

دل او سنگ و منم نہ و عشقش فولاد چوں دریں وقت بود فرصت تدبیر مرا

۱۔ ان سب حضرات کا ذکر نیز اس تذکرے میں موجود ہے۔

ہے پرستی زازل شغل دوام است مرا سر نوشتم بہ حقیقت خط جام است مرا

محتاج ناتوانان زور آوران دہر اند تیرے رواں نہ گرد تا چلہ باکمان نیست

رباعی
آحقرز جہاں وفا نہ جویم بجا است دست از ہوس و طمع نہ شویم خطا است
ایں ہستی مارا کہ چون نقش است بر آب گرام نفسِ حباب گویم روا است

آحقر کا صبح سال وفات معلوم نہ ہوا۔ مگر آتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ تذکرہ
گلزارِ اعظم کی تالیف کے وقت ۱۲۶۹ ہجری تک بقید حیات تھے۔

احمدی

احمدی تخلص۔ غلام احمدی نام۔ نشی احمدی عرف۔ فرزند اسد الدین
خاں بہادر اسد۔ مدراس مولد۔ ۱۲۱۵ ہجری سال پیدائش ہے۔
فارسی کی درسی کتابیں اپنے والد نیز میر قطب المحسنی اور مولوی
واقف سے پڑھیں۔ ان کی ذہانت اس واقعے سے معلوم ہوتی ہے
کہ ایک روز وہ زمانہ طالب علمی میں اپنے والد سے خاقانی کی شنوی
تحفۃ العرائین پڑھ رہے تھے کہ نواب فخر الامراء اعظم جاہ بہادر رضوان
ناب نواب کرناٹک کے عقد کی خبر سنی۔ احمدی نے باذنی شامل کہا کہ
"نجاح فخر الامراء" اس عقد کی تاریخ ہے۔ حاضرین سن کر دنگ رہ گئے
اور احمدی کئی بہت تعریف کی۔

شروع میں "اہل بقایاے کرناٹک" کی پکھری میں وقائع نگاری
کی خدمت پر مامور ہوئے۔ پھر مدتوں قوی جنگ بہادر (جو نواب کرناٹک
کے عزیزوں میں سے تھے) کی وکالت کرتے رہے۔

۱۲۶۲ ہجری میں مجلس مشاعرہ اعظم میں داخل ہوئے۔ اور
نواب اعظم کی سرکاری ملازم رہے۔

احمدی نے فارسی اور ہندی کا ایک دیوان مرتب کیا تھا۔
اس کے علاوہ شنوی بحر غم مصنف جناب ابولطیب خان دالا کا ترجمہ
بنام ”غم نامہ“ اردو میں کیا تھا۔
کلام ملاحظہ ہو:

در باغ تماشا کے تو تخم دلم افتا من چشم بہ را ہم کہ چہ آخر فرآرد

بغیر سوزش از سخت دل نہ یابی زر شرر چگونہ بر آید بجز شکستہ سنگ

از تمنائے وصالش داغ حسرت رود بر در دیر و حرم پیشانی خود سودہ ام

احمدی کے انتقال کا صحیح سال معلوم نہ ہوا۔ البتہ وہ تذکرہ گلزارِ اعظم
کی تالیف کے وقت ۱۲۶۹ ہجری تک زندہ تھے۔

اظہر

اظہر تخلص۔ عبدالقادر نام۔ فرزند منشی غلام حسین خان۔ مدراس مولد
۱۲۰۳ھ سال ولادت ہے۔

فارسی میں اپنے والد تیز خان عالم خان بہادر فاروق اور
مولوی غلام محمد مفتی مچھلی بندر کے شاگرد تھے۔ عربی صرف و نحو کچھ تو
ان ہی صاحبوں سے اور کچھ مولوی قادر بخش صاحب سے پڑھی۔
مولوی شجاع الدین حسین صاحب کے مرید ہوئے اور خلافت

پائی۔

یوروپین سرداروں کے پڑھانے پر بمشاہدہ بندرہ ہون (ساڑ
باون روپیہ) ماہوار پر ملازمت شروع کی۔ پھر کشنر کی پمپری میں ڈیڑھ
سور روپیہ ماہوار پر میر منشی ہوئے۔ وہاں سے وجیانگر کے علاقے میں
منصف ہو کر گئے۔ ۱۲۵۵ ہجری میں حج و زیارت کے لئے حرمِ شریفین

گئے۔ واپس آنے پر تعلقہ کلگیری کی منصیفی پر تقرر ہوا۔
اشعار کا نمونہ یہ ہے۔

دل را کن بہ صحبت اہل زمانہ بند مثلِ جناب در بہ رخ از ہر کرانہ بند

بہ محرابِ دوا برویِ تودل در سجدہ می‌باشد مباد از مردمِ چشمِ ظلل اندر نماز افتد

صبح دم چون نالہ اگیز دل شیدائے من آسمان ریزد ز انجم اشک بر غوغائے من

دل را بہ نگاہے زلف آسان بردی حیف این جنس گرانہ یہ چہ از ان بردی

انظر کے انتقال کا صبح سال معلوم نہ ہوا۔ لیکن یہ ۱۲۶۹ھ ہجری تک
زندہ تھے۔

بلنج

بلنج تخلص۔ شاہ محمد روح اللہ نام۔ فرزند شاہ محمد نور اللہ نقشبندی
خوش نویس۔ مدراس مولد۔ ۱۲۳۳ھ سال ولادت ہے۔

بلنج کے نسب کا سلسلہ چم واسطوں سے حضرت شیخ احمد سرہندی
مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز تک پہنچتا ہے۔ ان کے والد نواب
کرناٹک کی سرکار میں ملازم تھے۔

کم سنی ہی میں ابتدائی کتابیں اپنے ماموں سید قادر بادشاہ
سے پڑھیں پھر کتبِ متداولہ مولوی حسن علی ماہلی اور حاجی محمد محی الدین
حیران سے پڑھیں۔ ان ہی اساتذہ سے فن عروض و قافیہ بیان و دبلیج
نجوم و رمل و قانون حاصل کیا۔ مولوی شہاب الدین کی خدمت میں عربی
پڑھی۔ اپنے والد سے خوش نویسی سیکھی۔ اور ان ہی سے سلوک میں
خرقہ خلافت پایا۔

بہت ذہین، مہذب، چرب زبان اور فصیح اللسان تھے۔ نواب غلام محمد غوث خان بہادر نواب کرناٹک کے مشاعرے کے اراکین میں بھی شامل تھے۔
کلام کا اندازہ اشعار ذیل سے ہوتا ہے:

تابہ بزم خود بہ رنگِ شیشہ جادادی مرا لب ہم ناید چو جام از خندہ شادی مرا

از نگاہِ چشمِ گونے گونے رمانی مشکل است پایہ زنجیر است شیدائے تو زین موج شراب

منت کجا بہ زخمِ دل از مشک تر گرفت چون شانہ آن کہ خدمت زلفش بسر گرفت

ناگشت روانِ قافلہٗ اشک بہ کوشش ہر نالہ کہ بزخاست ز دل بانگِ جرس شد

بینم چہ گو نہ صبح بنا گوشت اے نگار از کا کل تو ہست شبے در میان ہنوز

زخمِ روشن دل نہ گردد بہ ز درمانِ کسے کے شود چاکِ سحر از سوزنِ عیسے رفو

با من از دو دمانِ دل سوزی ستم ماند است رشتہ دار کیے

بلغ ۱۲۶۹ھ ہجری تک زندہ تھے مگر سال وفات معلوم نہ ہوا۔

بہجت

بہجت تخلص۔ محمد تاج الدین نام۔ فرزندِ غیاث الدین خاں خوش نویس۔ مدراس مولد۔ ۱۲۱۴ھ سال ولادت ہے۔

بیس سال کی عمر عمو کا تعلیم ختم کر دینے کا زمانہ ہوتا ہے۔ مگر آپ نے اس سن میں تحصیل علم شروع کی اور بیس سال کی عمر میں فارغ ہوئے فارسی زبان کی قابلیت اعلیٰ درجے کی تھی۔

۲۴:۱۲: ہجری میں حکومت برطانیہ کی طرف سے دو سو روپیہ ماہوار کے
مشاہرے پر اضلاع چنگل پرٹ، سیکا کول اور پالم کوٹ میں مفتی مقرر ہوئے اور
برسوں ان خدمات پر سرفراز رہے۔ آپ کے حسن مرآت اور خوش مزاجی کی
شہرت تھی۔ طبیعت بھی بہت موزوں پائی تھی۔ فارسی اور ہندی دونوں زبانوں
میں شعر کہتے تھے۔ فن تالیف گوئی میں خوب مہارت تھی۔ نواب غلام محمد غوث
خاں بہادر اعظم نواب کرنامک کے ختمہ کا مصرعہ تالیف کیا:

ع۔ برآوردند گل از شمع کافور

۱۲ ۴۲ ۵

حسب ذیل کتابیں آپ کی تصنیفات سے ہیں:

(۱) رسالہ فن صرف (۲) تاج القواعد (فارسی صرف و نحو) (۳) مجمع البحرین
(فن عروض و قافیہ) (۴) چہستان (شرح گلستان سعدی) (۵) شرح مسلم
قاضی مبارک پر عربی حاشیہ -

کلام کا یہ نمونہ ہے:

تاخانہ کردہ است کمان ابروئے بد دل برتن بہ رنگ تیر خلد مو بہ مو مرا

چرا اے سرو قد جوئی لباً جو بہ چشم من بیا جائے تو این است

در غمت یوسف نہ کردے گریہ چشم او سپید بچو تو می داشت گریقوت فرزندے دگر

برزخت مردکب اہل نظر کردہ ہجوم طرفہ شور مگان است بریں خوان ہنگ

بہجت ز تیرہ بختی خود دم زغم چنان آن چشم سرمہ ساشدہ مہر دبان من

رباعی

دل در پی وصل تو بہ صد سوز و گداز چون نے بہ نواے نالہ باشد و مساز
یار شب ہجر را نہ باشد پایاں ہم سلسلہ آمدہ بہ گیسوئے وراز

ہجرت کا سال وفات معلوم نہ ہوا۔ لیکن ۱۲۶۹ھ ہجری تک زندہ تھے۔

حشمت

حشمت تخلص۔ انور حسین نام۔ نور الدین محمد خان بہادر حشمت جنگ خطاب۔ فرزند انور علی خان بہادر۔ مدراس مولد۔ ۱۲۴۹ھ ہجری سال ولادت ہے۔

آپ کے والد نواب سراج الدولہ محمد انور الدین خان بہادر شہید صوبہ دار کرناٹک کے پوتے تھے۔ اور چونکہ یہ اپنے چچا نور الدین محمد خان بہادر انور کے متنبی تھے۔ اس لئے نواب عظیم الدولہ بہادر رحمت مآب نواب کرناٹک (۱۲۶۱ھ تا ۱۲۶۳ھ ہجری) نے وہی خطاب آپ کو مرحمت فرمایا۔ درسی کتابیں اپنے زمانے کے استادوں سے پڑھیں۔ فارسی میں مرزا عبدالباقی و قاسم اور ریختہ میں مستقیم جنگ بہادر نامی سے اصلاح سخن لیتے اور دونوں زبانوں میں شعر کہتے آئے۔ نمونہ کلام یہ ہے:

بے تعلق باش گرداری وصالِ وہوس مانعِ رفتن شود آید چو دامن زیر پا

سودائے چرخ دور نہ شد گرچہ ہر سحر سازد علاجِ خویش ز معجونِ آفتاب

آفتابِ خاک ہر کہ کشد سر بر آسمان این نکتہ شمع سوختہ پیشمِ شستہ گفت

البتابطِ نیک بداندر جهان پیدا بود خارِ رامی پروردگارِ گل از محبت در کنا

ہمت بر آبادی دویرِ انہ کیسانِ فیضِ ابر نیست عالی ہمتان را با کسے دردِ لغا

گر تیر جگر دوز تو آید بہ تن من
از ہر لب زخمی سہر پیکان تو بوسم
۱۶۶۹ ہجری میں وفات پائی۔

راغب

راغب تخلص۔ سید احمد نام۔ میر مبارک اللہ خان بہادر خطاب۔ فرزند
سید عاصم خان بہادر مبارز جنگ۔ مدراس مولد۔ ۱۲۰۳ھ سال ولادت
ہے۔ لفظ ”راغب“ سے پیدائش کی تاریخ نکلتی ہے
راغب کے دادا سید معصوم خان، عبد اللہ خان (مصاحب نواب
آصف جاہ) کے داماد تھے۔ وہ امام نامی قصبہ سے جو بلخ کے علاقے میں ہر
حیدر آباد آئے۔ راغب کے باپ حیدر آباد سے مدراس پہنچکر نواب
دالا جاہ جنت آرام گاہ، فرمان رواے کرناٹک کی سرکار میں بعدہ فوجدار
ملازم ہوئے۔ شدہ شدہ مدارالمہامی تک ترقی پائی۔ خان بہادر
اور جنگ کے خطاب سے بھی سرفراز ہوئے۔

راغب نے مولانا باقر آگاہ اور مولوی فائق کے سامنے
زانوئے شاگردی بہ کیا۔ فن شاعری میں بھی ان ہی دونوں حضرات سے
فیض پایا۔

بڑے عالی فکر اور روشن خیال شاعر تھے۔ آخر عمر میں بیمار
کے سبب جسمانی طاقت بہت کچھ زائل ہو گئی تھی۔ اس لئے اگلی سہی
جودت و ذکاوت باقی نہ رہی۔

ایک فارسی دیوان اور دو ثنویاں، بنام ساقی نامہ و فراق نامہ
لکھیں۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام میں پنجگنی، رنگینی اور
فصاحت ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے۔

آخر رسید زلف سیاحت بہ داد ما زین لیلتمہ المراد برآمد مراد ما

چون گل نرگس نمی آید ہم ترکان ما در تلاش کیت یارب دیدہ حیران ما

وشتن نامہ سوی نے سوائے آرزو دارم قلم سازید یاران بعد مردن استخوانم را

گریں من پاک کرد آلودہ دامان مرا پنبہ شد چشم سپیدم داغِ عصیان مرا

مصفا مشربان را بے کسی آبِ گرجند کہ شد گردِ میتی انتہائے وصفِ گوہر ما

گشتہ راغب صفحہ دیوانِ من نرگستان از ہجومِ صادا

کے بجز زندانِ فانوسِ است چاپروانہ را رشتہ شمع است چون زنجیرِ پاروانہ را

کے جد امی شود ز ما راغب سایہ آسا سیاہِ نجی ما

دل از خیالِ خط او غبار آلود است چگونہ اشک نہ ریزم کہ خانہ پرود است

سرور رہت نہادن و مردن گناہ من نا کردہ التفاتِ گزشتن گناہِ کیست؟

مسکنم گشت نقشِ پائے کسے جای گیرم بہ ملکِ پایاں گھاٹ

ساتی بیا کہ بہر تو دستِ دعا دادم از برگِ تاک بر لبِ انگور شد بلند

بہ زیرِ سایہ زلفِ تو نیست آرامم چو اہل بیتِ رسالتِ مسافر شام

باقی است کار و بار بہا از غبارِ من بیہودہ نیست رستنِ گل از مزارِ من

در شرحِ اشتیاقِ چہ حاجت بہ التماس این جا چو خامہ است سخنِ باگر سین

اے نختِ دل تو گرم بہ مژگانِ رسیدہ ایں جانشین بہ سایہ دیوارِ اندکے

سلسلہ ہجری میں رآغب کو سفرِ آخرت پیش آیا۔ میلاپور کے راستے میں حضرت شیخ محمدؒ مخدوم ساوی قدس سرہ کی درگاہ کے متصل اپنے والد کے مقبرہ میں ہمیشہ کے لئے مجنوب ہیں۔

راقم

راقم تخلص۔ محمد حسین قادری نام۔ افضل الشعراء شیریں سخن خان بہادر خطاب فرزند نجم الدین حسین قادری خوش نویس۔ ملازم سرکار نواب کرناٹک۔ مدراس مولد۔ سلسلہ ہجری سال ولادت ہے۔

آپ حضرت مولوی محمد حسین شہید المعروف بہ امام صاحب قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے۔

عربی کی تمام تحصیل کتابیں امام العلماء قاضی الاسلام قاضی الملک مرحوم اور افضل العلماء مولوی ارتضاعلی خان بہادر خوشنود سے پڑھیں۔ فارسی میں اپنے حقیقی چچاؤں، یعنی شایق علی خان شایق اور مولوی واقف کے شاگرد تھے۔ فنِ شعر میں پہلے شایق سے، پھر سید ابوطیب خان والا سے اصلاح لیتے تھے۔ جناب والا کے منظور نظر شاگردوں میں سے تھے۔ نواب غلام محمد غوث خان بہادر نواب کرناٹک کے ہم سبق ہونے کا بھی آپ کو فخر حاصل تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تذکرہ گلزارِ اعظم کی تالیف میں نواب صاحب موصوف نے راقم کو شامل رکھا۔ انھوں نے بھی اس کی ترتیب میں سعی ملین کی۔ اور جب مجلس مشاعرہ قائم ہوئی تو راقم کو اس کا میر مجلس بنا کر افضل الشعراء شیریں سخن خان بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا۔

راقم نے ذیل کی کتابیں تالیف کیں:

- (۱) رسالہ میزان الاشعار (۲) اعظم الصناعات شرح مہیات حدائق البلاغت
- (۳) مختصر دیوان بھی ترتیب دیا۔ کلام کا یہ رنگ ہے:

شود مانی راقم پرداز تصویر دهانت را بدست آرد به جا غامه گرموی میانت را

ز گفتگو بد خصم دل نمی ترسد خطر ز باد نه باشد چراغ آئینه را

لب کشاید به شکر شمشیرت بارک الله ز خصم کاری ما!

زنهار به کف گوهر مقصود نیابی تا دانه کنی همچو صدف دست دعا را

قانتش تا از تعلق داد آزادی مرا شده به رنگ سرو کیسان با تم دشادی مرا

شب یا سم سیه شیر است دندان می زند بر من
بیاض دیده آهو مناساید صبح مطلب را

یافت ز شبنم نمک بر جگر خویش گل قسمت خوابان بود غم مگر از خوان صبح

کشید هر که درین بحر سز ز پافشاری همدین صد از شکست حباب می آید

رتبه عالی نسب از عجز افزون تر شود قطره از بالا به پستی چون اسد گوهر شود

برگ و بار درد از نخل و جوم گل کند کز هوای آه و آب گریه می شاد باشد

در بزم خلوت او چون باریاب گردید دانست راقم باشد فتح باب نیمه

یقینم شد رأین حباب این امر و جدانی
که ترک خویشتن باشد دلیل قرب یزدانی

راقم کے انتقال کا سال معلوم نہ ہوا۔ لیکن ۱۲۶۹ھ تک زندہ تھے۔

رونق

رونق تخلص۔ غلام محی الدین نام۔ عارف الدین خان خطاب۔ فرزند حافظ محمد معروف برہان پوری۔ مدراس مولد۔ اور ۱۱۹۲ھ سال ولادت ہے۔

آپ نے فارسی کتابیں غلام محی الدین مجتہز سے پڑھیں۔ شاعری میں باقر آگاہ سے تلمذ اختیار کیا۔ مدت تک محمد صادق خان شیرازی تخلص بہ کوکب کی صحبت میں رہے۔ اور فارسی محاوروں کی تحقیق میں بڑی کوشش کی۔

بیت سال کی عمر میں نواب عمدۃ الامراء بہادر فرمان روئے کرناٹک کی سرکار میں ملازم ہوئے اور نواب موصوف کے فرزند امیر الملک ماجد کے مصاحب مقرر کئے گئے۔ ماجد کی وفات کے بعد برداشتہ خاطر ہو کر مدراس کو خیر باد کہا۔ کڑپ، بلہاری، چتور وغیرہ میں منشی گری کی خدمت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ برسوں اس خدمت کے تعلق سے سر تھامس منرو سابق گورنر مدراس کے ساتھ سفر میں رہے۔ اس کے بعد حیدر آباد چلے گئے۔ زمانہ دراز تک وہاں قیام رہا۔

۱۲۶۶ھ میں وطن واپس آئے۔ نواب غلام محمد غوث خان بہادر نواب کرناٹک کی سرکار میں ملازم اور مشاعرہ اعظم میں داخل ہوئے قادر الکلام شاعر تھے۔ ہر قسم کی نظم بہت اچھی کہتے تھے۔ افسوس ہے کہ بوجہ پیری و ضعیفی دماغی طاقت بالکل جواب دے چکی تھی۔ اخیر عمر میں اکثر گوشہ نشین اور یاد آئی میں مشغول رہا کرتے تھے۔ کلام کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہوتا ہے:

صبح بہار جوش زند از فناے ما چون گل شگفتگی است بہ چاک چاک

طبع آزادان شود و ارستہ از بندِ خطر در گزشتن آتش و آب است کیسان سایہ را
می کند افتادگی آزاد از بندِ خطر شیر با این رعب کے ساز دہرا سان سایہ را

گر بہ محفل صفتِ تیشہ فرما دکنید سینہ چاکان ز سرِ ناخن مایا دکنید

کریمان را عجب تسخیرِ دل با است خطوطِ دستِ احسان دام کردند

کے بہ آسانی دہم از دست دامنِ فرق بعد ازین دستِ من و چاکِ گریبانِ فرق

گرہ شود چو تبا شیر اشک در قرہ ام اگر بہ فرقتِ آن نے سوار گریہ کنم

رواق کا سال وفات معلوم نہ ہوا۔ تالیف گلزارِ اعظم کے وقت
تک زندہ تھے۔ تذکرہ محبوب الزمن کے مؤلف نے لکھا ہے کہ حیدر آباد
میں ان کا انتقال ہوا۔ مگر یہ نہ بتایا کہ یہ واقعہ کب پیش آیا۔

فاروق

فاروق تخلص۔ محمد معروف نام۔ خان عالم خان بہادر خطاب،
فرزند محمد جان جہان خان بہادر فاروقی۔ مدراس مولد۔ اور ۱۲۷۰ھ ہجری
سال ولادت ہے۔

مختلف فنون اور متعدد زبانیں جانتے تھے۔ فارسی، عربی، ترکی،
اور انگریزی میں ایسی مزاوت تھی کہ ان زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ وفور
ذہانت و ذکاوت اور کثرتِ مطالعہ کی بدولت بہت تھوڑی مدت میں یہ
استعداد حاصل کر لی تھی۔

ریختہ میں افغری سے اور فارسی میں اپنے خسرو مستقیم یار جنگ
بہادر نامی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ ریاضی اور موسیقی میں بھی

ماہر تھے۔

۱۲۳۵ھ میں مولوی محمد علی صاحب واعظ رام پوری مدراس آئے تو فاروق اُن کے ایسے معقد ہوئے کہ اُن سے بیعت کر لی اور اُن کے خلیفہ ہو گئے۔

کلام کا نمونہ یہ ہے۔

دور از تو زیستن چہ بود آرزو مرا دم بچو خنجرے گزرد از گلو مرا۔

عجب نبود پسر گر قبلہ رفته پد رگردد کہ دارد پیش یوسف پیر کنعان بر زمین اور

سرشت بندہ ز خاک است و باز گشت نجات

روم ز خاک درت اے ابو تراب کجا!

ہر جابش بہ گرہ عنبر سارا بسندد گرفتہ پر تو آن زلفِ گرہ گیر در آب

مگر ندامتِ پروانہ سوختن دارد کہ شمع می گزد از شعلہ بار بار انگشت

نہ رود دردِ سر ہند پس از مردن ہم بر سر گور درین جا ست بہ صندل محتاج

رباعی در مدح چہار یار کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین
صدر شہ بیتِ دین عتیق بازین فاروقِ عروض وابتدا ذوالنورین
ضرب است بہادرے کہ تقطیع نمود نظم اعدا بہ خیبر و بدر و خنین

فاروق نے ۱۲۴۱ھ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

اعظم

اعظم تخلص۔ محمد غوث نام۔ امیر الہند والا جاہ عمدۃ الامراء مختار الملک

عظیم الدولہ نواب محمد فخر خان بہادر شہامت جنگ خطاب۔ فسرزند
امیر الہند اعظم جاہ، فخر الامراء، مدار الملک، روشن الدولہ نواب محمد منور
خان بہادر بہادر جنگ سپہ سالار صوبہ دار کرناٹک (۱۲۳۴ تا ۱۲۴۱ھ)
مدراس مولد۔ اور ۱۲۳۹ھ ہجری سال ولادت ہے۔

آپ کے آبائی نسب کا سلسلہ تین سو واسطوں سے خلیفہ ثانی
امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ والد
ماجدہ نواب ضیاء الدولہ بہادر کی صاحب زادی اور نواب ضیاء الملک
بہادر حیدر آبادی کی پوتی بغیس ناہانی سلسلہ چھبیس واسطوں سے سید الشہداء
خامس آل عبا سیدنا حضرت امام ہمام حسین علی جدہ وعلیہ السلام تک
پہنچتا ہے۔

تایخ ولادت ۲۹ ذوالحجہ (۱۲۳۶ھ ہجری) روز چار شنبہ دس بجے صبح ہے
اس دور یتیم کا سن پندرہ ہی مہینوں کا تھا کہ والد ماجد کو
دار البقاء کا ناگزیر سفر پیش آیا۔ چلم کے دوسرے ہی روز سرکار برطانیہ
کی طرف سے آپ کرناٹک کے نواب اور آپ کے حقیقی چچا نواب عظیم
جاہ بہادر سترہ سال تک کے لئے ریاست کے نائب مختار مقرر کئے گئے۔
آپ کی تعلیم کا سلسلہ پانچ سال کی عمر سے شروع ہوا۔ حافظ
محمد مکی اور ان کے فرزند حافظ عبد الولی سے قرآن مجید ختم کیا۔ فارسی
کی ابتدائی کتابیں غلام فی الدین خوشنویس اور ان کے فرزند مولوی
جلال الدین حسین خاں سے پڑھیں۔ خطاطی کی تعلیم خوشنویس موصوف
اور عنایت حسین خاں خوش نویس سے پائی۔ پھر سید ابوطیب خاں والا
آپ کی تعلیم پر مقرر ہوئے اور انھوں نے یہ کتابیں پڑھائیں:

- (۱) بوستان (۲) انشاء خلیفہ (۳) زلیخا (۴) گلشن سعادت (۵)
- سہ نثر ظہوری (۶) پنج رقعہ (۷) مینا بازار (۸) رسائل طغراء مشہدی (۹)
- انشاء بیدل (۱۰) انشاء نعمت خان عالی (۱۱) سکندر نامہ (۱۲) مثنوی راسخ
- (۱۳) اخلاق جلالی (۱۴) دیوان منظر (۱۵) دیوان غنی (۱۶) دیوان ناصر علی۔

۱۷۱، دیوان امیر۔

عربی میں شرح ملا جامی تک مولوی جمال الدین احمد صاحب سے اور عقائد فقہ، حدیث بہ قدر ضرورت قاضی الملک بہادر اور ارتضاطی خان بہادر سے پڑھیں۔ مولانا آزاد جگرانی کا پہلا عربی دیوان بھی ان ہی سے پڑھا۔ ۱۲۵ھ میں فارسی گو شعراء کا ایک مختصر تذکرہ موسومہ صبح و ظن اعظم لکھا۔ ۱۲۵۹ھ ہجری میں ایک اور تذکرہ تالیف کیا۔ جس میں شعراء کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ اور اس کا تاریخی نام گلزار اعظم ہے۔ ۱۲۶۰ھ ہجری میں ایک مجلس شعراء قائم فرمائی۔ راقم کو اس کا میرخلبر بنایا۔ جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

آپ اہل کمال کے بڑے قدردان اور پرلے درجے کو فیاض تھے۔ مکہ منظمہ (زادۃ اللہ شرفاً و تعظیماً) میں اب تک آپ کی خوانی ہوئی رہی ہے مشہور ہیں۔ مدرسہ اعظم کتب خانہ عام اہل اسلام مدراس اور لنگر خانے مدراس آپ کی فیاضی کی زندہ یاد گاریں ہیں جو اپنے بانی کے حق میں دغمنفرت کر رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی سچی مدح کے لئے مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔

فن شاعری میں والا موصوف سے ملتا تھا۔ آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں ایک فارسی دیوان مرتب فرمایا۔ شاعری میں سید شاہ ناصر علی ہرمندی (قدس سرہ) کی تقلید فرماتے اور اس فن میں ان ہی کو اپنا پیشوا مانتے تھے۔ مولوی محمد مہدی داحصف نے اپنے تذکرہ معدن الجواہر میں جتنے اعتراضات شاہ صاحب پر کئے ہیں۔ ان سب کے جوابات نواب اعظم نے اپنے تذکرے میں دیے ہیں۔

آپ بڑے ذہین و طباع تھے۔ گھنٹے دو گھنٹے کی فکر میں ایک غزل کہ لبنی معنوی بات تھی۔ ایک مرتبہ ایک ہی رات میں حضرت سید الشہداء امام ہمام حسین علی جدد و علیہ السلام کی منقبت میں ۷۷ شعر کا ایک قصیدہ موزوں فرمایا۔

یوں تو آپ کے چشمہ فیض سے ہر فن اور ہر مذاق کے لوگ
سیراب ہوتے رہتے تھے، مگر شعراء کی بالخصوص بڑی قدر افزائی
فرماتے تھے۔

آپ کے فارسی اور ربیعہ اشعار کا ایک مختصر مجموعہ بہارستان
اعظم کے نام سے انتقال کے بعد شائع ہوا ہے۔ ذیل کے اشعار اسی
سے انتخاب کر کے پیش کئے جاتے ہیں:

کند غرقِ ندامت طبع صافِ من زلالی را زند ناخن بہ دل ہر مصرعِ شوخِ ہلائی را

بکن از بادہٴ عشق کسے ملود دل خود را نباشد پیشِ مستانِ حُرمتے مینائی خالی را

مے می شود بہ غیر تو، گر ساغرے زخم چوں دانہٴ انار، گرہ در گلو مرا

نہی دارد شبائے نشہٴ مے خانہٴ دنیا ز گل ساغر کباب ز سنبل وے شبنم است این جا

نیست این چہرہ نمایاں ز پسِ برقعِ سرخ آفتابے است کہ در زیرِ شفقِ پنهان است

مکار تخمِ ہوا ی بہ دل چو پیر شدی قدِ خمیدہٴ تو داسِ کشتِ امید است

دوراں بہ سنگِ تفرقہ در ہم کند وصال با دام تو ام این سغتم دست بستہ گفت

غروری کند آخر براے نان محتاج شنیدہ کہ باشد بہ استخوان محتاج

دل رفت و طفلِ اشکم گر دید بے محابا عید است چون ز کربتِ تنادِ رفتہ باشد

وی قلقلئے بے تو مرا با نگِ عس شد مے خورد دم و چون شخنہٴ گلو گیر نفس شد

پیری رسید و مرد دل از عشق باز لے سیما بکشتہ را کند کشتہ باز کس

تابہ سلیم بردرت لے شافع مختصر جبین گشتہ جسم من بہ رنگ ماہ نو یکتر جبین

بے زبائیم کرد آخر سرد مہری ہائے او ہچو اشک شمع زیر لب گرہ شد گفتگو

شود ز گریہ مستانہ بخت من بیدار بے ز آب شود ہوشیار خواب زدہ

۲۲، محرم ۱۲۷۲ھ ہجری (مطابق ۱۸۵۵ء) کو بعالم جوانی
بتیس برس کی عمر میں دفعۃً ملک عدم کو سدھارے۔ اپنے دادا نواب
عظیم الدولہ بہادر رحمت آباد نواب کرناٹک (۱۲۱۶ تا ۱۲۳۲ھ ہجری) کے
مقبرے میں جو مسجد والا جاہی ترکھٹری (مدرا س کے احاطے میں واقع ہے)
اپنی والدہ ماجدہ کے مزار کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے ”سیر غیب“ اور
”مظلوم بھر دی“ آب کی رحلت کے مشہور تاریخی مادے ہیں۔

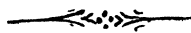
۱۷۔ تذکرے کے لئے اگر غیر متعلق نہ سمجھا جائے تو یہ قصہ درد سننے کے قابل ہے
کہ نواب بہادر مرحوم کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ اس لئے ہندوستان
کے گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت میں یہ طے ہوا کہ صلح نامہ
۱۸۵۷ء ذاتی تھا۔ اس کے شرائط نواب عظیم الدولہ بہادر کے جانشینوں
تک رعایت جاری رہے۔ اب چونکہ کوئی وارث نہیں رہا ہے۔ اس
لئے کرناٹک کی مسند نشینی کا خاتمہ کیا جائے۔ اور نواب عظیم جاہ بہادر
(نواب مرحوم کے حقیقی چچا) اور دوسرے اراکین خاندان کے نام دلیفے
مقرر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ کمپنی نے جنابہ نواب خیر النساء بیگم صاحب محل خاص
عہ حیدر آباد دکن کے امیر ضیاء الدولہ بہادر کی صاحبزادی تھیں۔ ۱۲۶۴ھ میں
آپ کی شادی نواب مرحوم کے سائق ہوئی۔

کی چھ ہزار روپیہ اور محل ثانی، جنابہ اعظم النساء بیگم صاحبہ کی چار ہزار روپیہ پنشن اور دیگر متعلقین اور ملازمین کی حسب مارج انتخابیں مقرر کر دیں۔
نواب مرحوم کے قرضے کے لئے محل کا اسباب ایک مقدمہ کے تفویض کیا گیا۔ نواب مرحوم کی زمین اور عمارتوں کا ٹیلام عام کیا گیا۔
اور خود گورنمنٹ نے ان سب کو ساڑھے پانچ لاکھ روپے میں خرید لیا۔

نواب عظیم جاہ بہادر نے (جن کا حال آگے آتا ہے) ملکہ وکٹوریہ قیصر ہند کی بادشاہ میں ریاست کے لئے اپنا دعوے پیش کیا۔ مقدمے کی پیروی کے لئے پارلیمنٹ میں اپنے وکیل مسٹر ڈاسن کو انگلستان بھیجا۔ پارلیمنٹ کے ممبروں میں بعض آپ کے حامی تھے اور بعض مخالف آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ کثرت رائے سے یہ طے پایا کہ ریاست کرناٹک کا خاتمہ کر دیا جائے۔ نواب عظیم جاہ بہادر کی اشک شوی کی گئی کہ (تاریخ ۱۲ اپریل ۱۸۸۷ء مطابق محرم ۱۲۸۸ھ ہجری) لارڈ ڈنپیر گورنر مدراس نے ان کو پرنس آف آرکاٹ کا خطاب اور پچیس ہزار روپیہ مانانہ وظیفہ بنام "ٹائٹل گرانٹ" یا "اسٹیٹ" مقرر کر دیا۔

اور جنوبی ہند کے ادل درجے کے امیر تسلیم کئے گئے۔ نواب عظیم جاہ نے گورنمنٹ سے یہ بھی تسلیم کرا لیا کہ جب تک ہندوستان میں حکومت برطانیہ باقی رہے۔ آپ کا نصف مانانہ وظیفہ یعنی مبلغ ساڑھے بارہ ہزار روپیہ ماہوار آپ کے جانشین، نیز آپ کے فرزندوں اور دختروں کی اولاد کو دیا جایا کرے۔ چنانچہ یہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔
مختصر یہ ہے ع:

کہ آن قدح بشکست دآن ساقی زمانہ



نظیر

نظیر تخلص۔ قادر علی نام۔ قادر علی خان بہادر مٹور جنگ خطاب۔
 فرزند نجف علی خان بہادر مدراس مولد۔ ۱۲۳۰ ہجری سال ولادت ہے۔
 آپ نواب والا جاد جنت آرام گاہ فرمان روائے کرناٹک کے
 حقیقی نواسے اور ناپچیز مؤلف تذکرہ ہذا کے والد کے ماموں تھے۔
 فارسی کتابیں اپنے والد ماجد اور میر مہدی صاحب ثاقب کی
 خدمت میں پڑھیں۔ عربی و ریاضی میں بھی مہارت تھی۔ انگریزی، تامل اور تلنگی
 بھی جانتے تھے۔ کچھ دنوں ثاقب صاحب سے اشعار پر اصلاح لیتے رہے۔
 ۱۲۶۲ ہجری میں حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و تقیماً کی زیارت
 کے لئے گئے۔ دو سال کے بعد مدراس لوٹ آئے۔ اسی سال مسلمان لڑکوں
 کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ اسلامیہ قائم کیا۔ پان سات سال کے بعد دوبارہ
 مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور وہیں کے ہو رہے۔ بڑے مخیر فیاض اور منتفی بزرگ تھے۔
 کلام کا انتخاب یہ ہے :

قاش می گوید حجاب از خندہ دایم این سخن مشکل مرگ است آساں در بلاتن دادہ را

ہمت بخشش نہ باشد در مند پوشاں نظیر باز گیر دابر از در یا مستاع دادہ را

قسمت کس غیر خاک از گردش دوراں نہ شد شیشہ ساعت کند خود را تہ و بالا عبث

ہرم روشن گراں نیست بہ سماں محتاج خانہ دیدہ نہ باشد بہ چراغاں محتاج

تیرہ باطن را ز روشن دل نہ باشد جہر خلاف می رود از مہر دایم سایہ راہ انحراف

دیدہ بے نور شود گر روم از محض منے ہست تارِ نگہم چون خطِ ساغر در چشم

فتد در دامن سنگیں دلاں پادش ظلم آخر بہ کا ہر آسیا خود دانہ را سائیدہ سائیدہ

شوخی زلف و خروش را پایہ می باشد کی گری ز قنار مہر و سایہ می باشد کی

سندہ ہجری میں بمقام مکہ مکرمہ انتقال فرمایا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

خادم

خادم تخلص۔ غلام مرتضیٰ نام۔ ممتاز الملک غلام مرتضیٰ خان بہادر عظیم جنگ خطاب۔ فرزند عبدالغفار خان بہادر ثابت جنگ۔ مدراس مولد ۱۲۲۲ھ سال ولادت ہے۔

آپ نواب والا جاہ جنت آرام گاہ کے پوتے ہیں۔ ہوش آنے کے بعد اپنے زمانے کے اساتذہ سے فارسی پڑھی طبیعت بہت موزوں تھی۔ اردو میں زیادہ اور فارسی میں کم کتے تھے۔ صاف گوئی کی طرف طبیعت مائل تھی۔

ذیل کے اشعار سے کلام کا اندازہ ہو گا۔
این است محبت کہ بر آشفست بسے را بسم اللہ، اگر حوصلہ ہست کسے را؟

یثرب ہمہ ایمان من باشد نجف رضوان من
بطحا فدائش جان من من بندہ ام بغداد را

از من این است وصیت چو سپاریدہ خاک دوستان روئی مرا جانب بغداد کنید

بدار خرقہ سالوس زاہد بہ گرو بگیری جام مے و ان ربنا لغفور

نیاز بندہ بانا ز خداوندان چہ خوشن باشد بیاسری رود از من تو گردستے بسر داری

۱۲۷۰ھ ہجری میں سفر آخرت پیش آیا۔ حضرت مرتضیٰ بادشاہ صاحب قدس سرہ کے گنبد کے احاطے میں جو مسجد انوری کے پہلو میں واقع ہے، دفن ہوئے۔

واصف

واصف تخلص۔ (مولوی) محمد مہدی نام۔ فرزند محمد عارف الدین خان رونق۔ مدراس مولد اور ۱۲۷۰ھ ہجری سال ولادت ہے۔

فارسی اور عربی مدراس کے علماء و فضلاء سے پڑھی۔ انگریزی میں بھی اچھی مہارت تھی۔ شاعری میں اپنے والد ماجد سے اصلاح لیتے رہے۔

کم سنی میں اپنے والد کے ہمراہ مختلف اضلاع کو دیکھا۔ سترہ برس کی عمر میں پھر مدراس آکر قیام فرمایا۔ پہلے مولوی تراب علی نامی کی وساطت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدرسے میں نو وارد انگریزوں کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ سترہ سال اس خدمت کو عمدہ طریقے سے ادا کرتے رہے۔ پھر وظیفہ لے کر اس کو چھوڑا۔ اور اپنے طور پر تعلیم و ترجمہ کا کام گھر پر کرتے رہے۔ ایک مرتبہ ترجنا پٹی گئے۔ وہاں مولوی سید جام واعظ کے ہاتھ پر بیعت کر کے صاحب موصوف سے خرقہ خلافت پایا اور وعظ کی اجازت بھی حاصل کی۔

۱۲۶۲ھ ہجری میں جب نواب غلام محمد غوث خان بہادر اعظم نواب کرناٹک نے محفل مشاعرہ اعظم قائم کی تو واصف اس میں داخل ہوئے محکمہ عالیہ کی مترجمی بھی کرتے تھے۔

اردو اور فارسی کی کئی کتابیں آپ کی تصنیف سے ہیں۔ جن میں ایک تذکرہ معدن الجواہر بھی ہے۔ اس تذکرے میں بعض شعراء کے کلام پر اعتراضات کئے ہیں۔ ان کے تشفی بخش جوابات نواب اعظم نے تذکرہ گلزار اعظم میں دیے ہیں۔

نواب ممدوح کے انتقال کے بعد واصف حیدر آباد گئے۔ اور

دہاں سرکاری نوکر ہو گئے۔ ۲۷ھ میں ایک اور مختصر سا تذکرہ عربی میں بنام ”حدیقۃ المرام“ لکھا۔ جس میں علماء و فضلاء اور امراء و شعراء کے حالات درج کئے ہیں۔

کلام کا نمونہ یہ ہے: کشتی جاں تا در آب تیغ او انگندہ ام بادبانے گشتہ موج جو ہر آہن مرا

مطر پادہ ساز است دریں جادر کار دختر رز شدہ در مجلس زنداں گستاخ

گردش چشم سیاہش سرمہ آواز شد چون ستم بکے رقیباں کرد فریادی مرا

شایان گوش گل گہرا شک بلبل است کے فوہار منت دِ رئیس کشد

خواب بخت من نہ خواہد دید روی القطاع رشتہ آمال صرف پردہای خواب شد

تابت من شد بہ چین جلوہ گر تارِ رگ گل شدہ ز تارِ گل

۲۹ھ ہجری میں بمقام حیدر آباد سفر آخرت پیش آیا۔ مرحوم کے فرزند متخلص بہ والائے یہ تاریخ رحلت لکھی۔

مدی و اصف رجب کی تیسویں فضیل حق سے مورد رحمت ہوئے
سال رحلت اُن کا والائے کہا آج و اصف داخل جنت ہوئے

۲۹ھ ہجری

عظیم

عظیم تخلص۔ غلام محمد علی نام۔ نواب عظیم جاہ سراج الامراء عمدۃ الملک
اسد الدولہ غلام محمد علی خاں بہادر ذوالفقار جنگ خطاب۔ فرزند دوم

نواب عظیم الدولہ بہادر رحمت مآب نواب کرناٹک (۱۲۱۶ تا ۱۲۳۳ھ)
مدرس مولدہ اور ۲۴ محرم ۱۲۱۶ھ ہجری تاریخ مولود ہے۔

حافظ محمد کی مرحوم سے قرآن مجید حفظ کیا۔ عربی اور فارسی
مولوی وجیہ اللہ طالب، سراج العلماء مولوی محمد سعید اسلمی اور دیگر
استاذہ سے پڑھی۔

اپنے بڑے بھائی نواب اعظم جاہ بہادر رضوان مآب کے
عہد دولت میں آپ ہی ریاست کے مدارالمہام تھے اور اپنے
بھتیجے نواب غلام محمد غوث خان بہادر کے زمانہ نابالغی میں ۱۲۳۱ھ
سے ۱۲۵۷ھ تک آپ ہی ریاست کے نائب و مختار رہے۔

مؤلف تذکرہ ہذا کو یہ فخر حاصل ہے کہ آپ اُس کی نانی کے
حقیقی چچا تھے (اللہم اغفرہ) صوم و صلوٰۃ کے پابند متقی و پرہیزگار تھے
علماء و مشائخین سے زیادہ خلوص تھا۔ بیشتر اوقات تفسیر و حدیث
کی کتابیں آپ کے مطالعے میں رہتی تھیں۔ بڑے سخی اور علم و ہنر
کے بڑے قدردان تھے۔

موزونی طبیعت سے آپ نے صرف یہ کام لیا کہ نعت و منقبت
ہی میں شعر کہتے تھے۔

کلام کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہوتا ہے:
در کون و مکان نیست بجزیر تو نور حق دید ہر آن کس کہ بہ دید است حضورت

لے خواجہ عالم بہ تو امید عظیم است گاہے نہ رسد بردل من ہیچ کدورت

خداوند انمائِ روضہ او کہ بے شک بہتر از عرش بریں است

بندہ بے نظیر ربِّ احد سیست در دو جہاں مگر احمد

خطِ جام است گردِ نظرش مالہ ماہ دلستانہ کہ در جوش و خروش است

داغما داده بہ دل منتظرِ گریہ بود دانه افشانده غمت بہت بہ بارانِ محتاج

یابد ترا چگونہ ز عشقِ مجاز کس گیر چہاں شکارِ تصویرِ باز کس

دہدِ حلاوتِ دیگر بہ جانِ ماہر دم ہزار بارِ چشیدیم آپ ز مرزمِ تیغ

۱۳۱۱ ہجری میں اس جہانِ ناپائدار سے عالمِ بقا کا کوچ کیا۔

اکرم

اکرم تخلص۔ محمد ذاکر علی نام۔ معتمد خان بہادر خطاب۔ فرزند مولوی حسن علی ماہلی حسن۔ مدراس مولدہ اور ۲۸ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ تاریخِ پیدائش ہے۔

فارسی اور عربی کا فنیہ تک اپنے والد سے پڑھی۔ والد کے انتقال کے بعد تھوڑے دنوں تعلیم کا سلسلہ بند رہا۔ پھر جناب ابوطیب خان والا کے زمرہ تلامذہ آئیں داخل ہوئے۔ لیکن والا نے اپنے تلمیذ رشید نواب غلام محمد غوث خان بہادر اعظم نواب کرنامک سے درخواست کی کہ اکرم کو آپ اپنی شاگردی کا خزانہ نواب صاحب نے اپنے والا مرتبت استاد کے حکم کی تعمیل کی۔ اور اکرم کو تمام درسی کتابیں از سر نو پڑھائیں۔ پھر ان کو بزمِ مشاعرہ میں داخل کر کے عزت افزائی کی۔ آخر میں مددگار میر مجلس دیوانی ہالی بنا کر معتمد خان بہادر کے خطاب سے سرفرازی بخشی۔

اکرم کے فارسی اشعار کا ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ کلام کا یہ رنگ ہے:

از یک نظارہ برد دلِ لختِ لختِ ما؛ موج نگاہِ او شدہ سیلابِ رختِ ما

اشکِ می ریزم ز چشمِ دآہِ سرتِ می کشم شد عجب آب و ہوا حاصل از یگ کشنِ مرا

کے تیرہ نخت را اثر از صافِ دلِ رسد گردوں نہ شد سپید ز صابونِ آفتاب

می سزد گر تبہ ام باشد بہ ہم طراحِ خویش طبعِ عالی حاصل از شاگردِ نو آب شد

شاید کہ ہست در غمِ او نا تو اں ہنوز دارد عصا بہ کفِ فلک از ککشائِ ہنوز

نواب غلام محمد غوث خان بہادرِ اعظم کے انتقال کے بعد اکرم برسوں زندہ رہے۔ مگر سال وفات معلوم نہ ہوا۔

ثاقب

ثاقب تخلص۔ میر مہدی نام۔ فرزند میر صادق علی حسینی مدراس مولد اور ۱۲۲۳ھ ہجری سال ولادت ہے۔

آپ کے اجداد مشہد مقدس کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے بعض گلبرگہ شریف میں آکر مقیم ہو گئے۔ ثاقب کے حقیقی دادا سید ابراہیم حسینی نواب والا جاہِ جنتِ آرام گاہ کے زمانہ حکومت میں مدراس آئے اور یہیں قیام کر لیا۔ ثاقب کے والد تایخ گوئی میں بڑی شہرت رکھتے تھے اور نوابِ عظیم الدولہ بہادرِ رحمت مآب نواب کرناٹک کی سرکاری ملازم تھے اور ان کے چھوٹے بھائی بینش بھی اپنے وقت کے مشاہیر شعرا میں تھے۔

ثاقب نے فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے باپ اور دادا سے پڑھیں۔ اور کتبِ متداولہ دوسرے اساتذہ سے۔ مشقِ سخن

مولوی واقف اور میر مبارک اللہ خان راغب سے کی۔ فن خطاطی میں بھی آپ کو کمال تھا۔ بارہا حیدر آباد گئے اور ایک مرتبہ وہاں جاکر میر بندہ حسین خان قمر سے ملا ظہوری کا دیوان بیڑیٹھا۔ مشاعرہ اعظم قائم ہوا تو شاقب بھی اُس میں داخل ہوئے۔ ذاب اعظم انہیں کچھ ماہوار تنخواہ بھی عطا فرماتے تھے۔

شاقب خوش مزاج اور نیک خلق تھے۔ گفتگو بہت نرمی سے کرتے تھے۔ ایک دیوان مرتب کر کے اس کو طبع کرایا ہے جو اب نایاب ہے۔ کلام کا یہ ڈھنگ ہے۔

تانت آں ماہ - روزیاری ما
بر فلک رفت شور زاری ما
گل بر شاخ بودہ راماند
بہ خدنگ تو زخم کاری ما
بہ جواب کسے نہ برداریم
کوہ شد پست برداری ما

در شب ہجرت چو ایں سوز دلم پردانہ
از زبان شمع کرد اقرار استادی ما

گر نہ گیرد فیض از کم پانگان عالی دماغ
بہر نفع سرچرا مالند روغن زیریا

لیلتہ القدر خریدار شود از چشمش
کہ سیہ روزی من سر مر فروشن است مشب

مانی پو نقش قامت آں نازنیں کشد
بالا رساندہ آہ الف بر زمیں کشد

کف در یوزہ آبر دیم رنجیت
ثاقباد داد از ستد باشد

در چین لے یا شکر خندہ ات
شد نکت سینہ انگار گل

لباں خوب رو ہر کشتہ رامی دہد جانے
عجب کز چشمہ نور شید خوشد آب جوائے
آپ کے انتقال کا سال دریافت نہ ہو سکا۔

باب دوم

ریختہ گو دکنی شعراء

فصل اول

وہ ریختہ گو دکنی شعراء جن کی ولادت، نشو و نما اور ترقی دکن میں ہوئی

—﴿﴾—

سلطان محمد قلی قطب شاہ

سلطان محمد قلی قطب شاہ، ابن ابراہیم قطب شاہ، تاجدار گلکنڈہ،
گلکنڈہ مولد اور ۹۵۷ھ ہجری سال ولادت ہے۔
۹۷۹ھ ہجری میں سریر آرائے گلکنڈہ ہوئے۔ ابراہیم عادل شاہ
والی بیجاپور کے ہم عصر تھے۔

یہ بادشاہ بڑے علم دوست اور ہنر پرور تھے۔ خود بھی شاعر
تھے۔ اور شاعروں کے قدردان بھی۔ فارسی اور ریختہ دونوں میں شعر کہتے
تھے۔ فارسی میں قطب شاہ اور ریختہ میں معانی تخلص تھا۔ آپ کا دیوان
اصنافِ سخن سے مملو ہے۔ اس کے متعلق صاحب گل رعنا رقم طراز
ہیں کہ :

”اس (محمد قلی قطب شاہ) کا مکمل دیوان نواب سالار جنگ
کے کتب خانے اور کتب خانہ صفیہ میں اور ایک ضخیم کلیات اصنافِ سخن
سے مملو موجود ہے۔ جو قطب شاہی خاندان کا شاہی نسخہ ہے۔“

ان کے کلام کو اس لحاظ سے دیکھو کہ اردو شاعری کا سب سے قدیم
 نمونہ ہے جو ہم تک پہنچا ہے۔ اس سے پہلے کا کوئی شعر کم از کم میری
 نظر قاصر سے نہیں گزرا۔

ان ہی دیوانوں سے یہ جواہر ریزے پیش کئے جاتے ہیں۔
 پیاہوں میں حضرت کے ہمت آب کوثر تو شاہاں پر مجھ کلکس کر بنایا

سدا تو مدح نبی و علیؑ کہ کہتا ہے معانی شعر ترا تو لکھے ہیں دست بہ دست

خورشید کہ اُپر سے ہے ابرو ہلال عید اوس ابروان کو سجدہ کیا ہے وصال عید

اکیس سال حکومت کر کے سنہ ہجری میں اس دنیاے فانی سے منہ موڑ لیا۔
 ترستھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

سلطان محمد قطب شاہ

سلطان محمد قطب شاہ۔ فرزند محمد امین۔ محمد تلی قطب شاہ کے بیٹے
 داماد اور جانشین تھے سنہ سال ولادت ہے۔

سلطان نصوص کی پرورش و تربیت انھیں کے چچا نے کی اور
 سنہ ہجری میں اپنے چچا کی وفات کے بعد گلکنڈہ کے بادشاہ ہوئے۔
 جوان صلح، شفی، فیاض، ذی مروت اور شاعر تھے۔ فارسی
 میں ظل اللہ اور ریختہ میں قطب شاہ تخلص کرتے تھے۔

آپ کا مکمل دیوان بھی ذاب سالار جنگ کے کتب خانے
 میں موجود ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

پیا سانولا من ہمارا بھولا نزاکت عجب سبز رنگ میں دکھایا

بکرید عید آیا صلوات بر محمد آئند علم اجایا صلوات بر محمد

اُن جانے میں جو انی پندنا سنا قرآن اور حدیث سوں ترکیب کو کلام
سنہ ہجری میں اس دنیائے دنی سے کوچ کیا۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ

سلطان عبداللہ قطب شاہ بن سلطان محمد قطب شاہ ۲۳ سنہ
سال ولادت ہے۔ اپنے والد کی جگہ بارہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھے۔
رونتی نے تاریخ جلوس کی =
قرین شد جہانے از جلوس شاہ عبداللہ

۱۰۳۵ھ

علم دہن کے بڑے قدردان تھے۔ برہان قاطع جو فارسی لغت
کی بڑی مستند کتاب ہے، اسی بادشاہ کے نام سے تالیف ہوئی اور
مؤلف کی خوب قدر افزائی کی گئی۔ خود بھی شاعر اور صاحب دیوان
تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎
گفتم کہ خال و زلف کیا ہے سوبول منجگو گفتا کہ زلف دامت ہو رخال سو ہے دا

اے پری پیکر ترا کھمہ آفتاب دیکھتا ہوں تو ہے نا مجھ میں تاب

قند اور نبات گلستا ہے اجھوں دے نہ سک تیرے مٹھے لگا جواب
محرم سنہ ہجری میں انتقال کیا۔
(از گل رعنا)

ولی

ولی تخلص۔ ولی اللہ نام۔ شمس الدین لقب۔ اورنگ آباد دکن
مولدہ (تخمیناً) سنہ ہجری سال ولادت ہے۔
یہ وہی ولی ہیں جو اب تک اردو کے بادا آدم کہے اور
مانے جاتے ہیں۔

ان کے سال ولادت اور مولد کے متعلق بڑا اختلاف ہے۔ آزاد نے انھیں گجرات کا اور میر محمد تقی میر نے اپنے تذکرے میں اورنگ آباد کا باشندہ بتایا ہے۔ مؤلف محبوب الزمن اور احسن مارہروی مرتبہ کلیات ولی بھی انھیں اورنگ آبادی ہی قرار دیتے ہیں۔ ان کے دکنی ہونے اور گجراتی نہ ہونے کے ثبوت میں انھیں کا یہ شعر پیش کیا جاسکتا ہے۔

ولی ایران و قوراں میں ہے مشہور
اگر یہ شاعر ملک دکن ہے
یہ بھی صحیح طور پر تحقیق نہیں ہے کہ یہ کس خاندان سے ہیں۔ مصنف آپ حیات نے علامہ وجیہ الدین علوی کی نسل سے بتایا ہے۔

مؤلف محبوب الزمن کا بیان ہے کہ ولی ہینٹس برس کے سن میں تحصیل علم کے لئے گجرات گئے اور مدرسہ احمد آباد گجرات میں ضروری تحصیل کی۔ سنی المذہب تھے ہی، چند روز کے بعد نور الدین محمد صدیق سہروردی کے ماتھے پر بیعت کی۔ پھر احمد آباد کے ایک بزرگ زادے سید ابوالعالی کے ہمراہ بزرگان دین کی زیارت کے لئے دہلی اور سرہند گئے۔ دہلی میں شاہ سعد اللہ گلشن سے ملے اور ان کو اپنا کلام سنایا۔ یہ طریقہ نقشبندیہ کے ایک نامور بزرگ اور بڑے پُر گو شاعر تھے۔ نکات الشعراء میں لکھا ہے کہ ”میاں صاحب فرمود ایں ہمہ مضامین فارسی کہ بیکار افتادہ اند، در ریختہ خود بکار بہ بر

لہ۔“ علامہ وجیہ الدین کا خاندان گجرات میں اپنے فضل و کمال اور فیض رسانی کے لحاظ سے بہت معزز و ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ گجرات پر مغلوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد اچھے اچھے گھرانوں کے لوگ پریشان ہو کر بیجا پور، احمد نگر، ہرار اور بڑمان پور چلے گئے۔ ان ہی نقل مکان کرنے والوں میں شاہ اسد اللہ، علامہ وجیہ الدین کے پوتے بھی تھے، جنھوں نے بیجا پور میں بود و باش اختیار کی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ولی کو علامہ وجیہ الدین کے خاندان سے نسبت تھی تو کیا عجب ہے کہ یہ شاہ اسد اللہ سے کوئی واسطہ رکھتے ہوں؟ (گل رعنا)

از تو کہ محاسبہ خواہ گرفت
 "گل رعنا" میں لکھا ہے کہ ولی، محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں
 دہلی آئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں ان کا جی لگ گیا تھا۔
 چنانچہ ان کا یہ شعر اس کا شاہد ہے :

دل ولی کا لے لیا دہلی نے جھین جاکھو کوئی محمد شاہ سول
 آخر اورنگ آباد واپس چلے آئے۔ اور یہاں ۱۱۴۱ھ ہجری میں شہداء کربلا
 کے حال میں ایک شہزی "وہ مجلس" لکھی۔ اُس کے خاتمہ میں لکھتے ہیں :
 ہوا ہے ختم جب یو درد کا حال تھا گیارہ سو پہ اکتالیسواں سال
 کہا ہاتف نے یو تاریخ مقبول ولی کا ہے سخن حق پاس مقبول
 مولانا آزاد اور مؤلف گل رعنا لکھتے ہیں کہ ولیؑ نے تصوف
 میں ایک رسالہ "نور المعرفت" تصنیف کیا ہے جس میں اُنہوں نے یہ
 بھی لکھا ہے کہ میں نور الدین محمد صدیقی کے مریدوں کا خاک پا اور
 سعد اللہ گلشن کا شاگرد ہوں۔

اُن کے کلام کا نمونہ یہ ہے :
 نہ پوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت
 بہ رنگِ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

خبر داری سے اس معشوق کے کوچے میں جا لے دل
 کہ اطرافِ حرم میں ہے ہمیشہ ڈرِ حرامی کا

دیکھ کر تجھ نگاہ کی شونخی ہوشِ عاشقِ ربِ غزال ہوا

صنم کے لعل پر وقتِ تحکم رگِ یاقوت ہے موجِ تبسم

زندگی جامِ عیش ہے لیکن فائدہ کیا اگر مدام نہیں

گناہوں کے سبب نامے سے کیا غم اس کی نشان دہی
جسے وہ زلفِ ست آدینر ہو در قیامت میں

کیا غم ہے اس کو گری خورشیدِ حشر سے
بختِ سیاہ جس کے سر اوپر ہے سائبان

اور مجھ پاس کیا ہے دینے کو
دیکھ کر تجھ کو رو ہی دیتا ہوں

غدرِ حسن نے تجھ کو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لائے تو اگر تجھ کو دلی آد

دل چھوڑ کے یار کیونکہ جاوے
زخمی ہے شکار کیونکہ جاوے

دشمن دیں کا دین دشمن ہے
راہِ زن کا چراغ رہنمائی ہے

کہاں ہے آج یارب جلوہٴ مستانِ ساقی
کہ دل سے تابِ حبی سے صبرِ سر ہوش لیاؤ

جلد چل ٹک عشق کی رہ میں تاپہنچے کیس
کاہلی کو رہ نہ دے سالک کہ منزل دور ہے

غنیمت بوجھ ملنے کو وئی کے
نگاہِ پاک بازاں کیمیا ہے
وئی ^{سہالہ} ہجری میں بمقام احمد آباد واصل بہ حق ہوئے۔ اور
وہیں دریا خان کے گنبد کے سامنے سپردِ خاک کئے گئے۔

داؤد

داؤد تخلص۔ مرزا داؤد نام۔ اورنگ آباد مولد۔ سال تولد

معلوم نہ ہوا۔
اپنے زمانے کے فضلا اور شعراء کی خدمت میں تعلیم و
تربیت پائی۔ آصفی نے لکھا ہے کہ شعر میں ولی کا متبع کرتے

تھے: چنانچہ خود بھی جا بہ جا اس طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً:
 کہتے ہیں سب اہل سخن اس شعر کو سن کر مجھ طبع میں 'داؤد' ولی کا اثر آیا
 ان کا ایک چھوٹا سا دیوان بھی ہے جس میں تقریباً پانچ
 سو اشعار ہیں۔ منتخب کلام کا نمونہ یہ ہے۔
 قانونِ شفا نطق میں ہے یار کے موجود اے دل نہ ہو محتاجِ طبیبان سے دوا کا

مجھ بزم میں رقیبِ عبث سرکشی نہ کر شعلہ پڑا ہے شمع پہ مجھ سوزِ آہ کا

دستِ رنگیں کو دیکھ کر تیرے رنگ مہندی چھاپے پاتوں پات

مرا احوال چشمِ یار سے پوچھہ حقیقت درد کی بیمار سے پوچھہ

اے زاہد! اٹھاؤ جیس کو زمین سے جو سرِ نوشت ہے اُسے کاں تک مٹاؤ گے

داؤدؑ اللہ ہمیری میں راہی ملکِ بقا ہوئے۔ لکھی نرائین

شفیق نے تاریخِ رحلت لکھی ہے:

بلبل گلزارِ معنی طوطیِ رنگیں بیاں از غم آباد جہاں بگشت جوں سیرازِ کماں

مصرعِ تاریخِ نوشتش گفت با من ہاتھ "گو برفتہ میرزا داؤد فانی از جہاں

سراج

سراجِ تخلص۔ میر سراج الدین نام۔ اورنگ آباد مولد۔ سال

ولادت معلوم نہ ہوا۔

اورنگ آباد کے صحیح النسب سادات میں سے ہیں۔

اور وہیں نشو و نما اور تعلیم و تربیت پائی۔

مصنف گلِ رعنا کا بیان ہے کہ "میر محمد تقی مسیر نے

نحاتِ اشعار میں اور میر حسن نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ

سراج سید حمزہ کے شاگرد تھے۔ مگر اس کی تصدیق اہل دکن نہیں کرتے۔ خود سراج نے فارسی کے دیوانوں کا انتخاب کیا ہے، اُس کے دیباچے میں کچھ اپنے حالات بھی لکھے ہیں۔ اُن میں بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

عالم شباب ہی میں، سراج کی طبیعت میں جذب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ سات سال تک سروپا برہنہ حضرت برہان الدین غریب قدس سرہ العزیز کے روضے کے گرد گشت لگاتے تھے۔ اور مستی کے عالم میں فارسی اشعار کہا کرتے تھے۔ سات برس کے بعد سید عبدالرحمن چشتی (متوفی ۱۱۶۱ھ) کے ہاتھ پر طریقہ چشتیہ میں بیعت کی۔ مدتوں مرشد کی صحبت سے فیض اٹھاتے رہے۔ اپنے پیر بھائی، عبدالرسول خان کی تحریک سے ریختہ کی طرف توجہ کی اور پانچزار اشعار کا ایک دیوان مرتب کیا۔ اس کے شایع ہوتے ہی دکن میں اُن کی شاعری کا چرچا ہو گیا۔ اور سب نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ دکن میں ولی کے بعد سراج کے پایہ کا کوئی شاعر نہیں۔

فارسی اور ریختہ دونوں میں شعر کہتے تھے۔ خوش فکر شاعر تھے۔ شعروں میں درد ہوتا تھا۔ صاحب سلوک اور پاکیزہ مشرب بزرگ تھے۔

آخر عمر میں شعر گوئی ترک کر کے بالکل تہ ترکیہ نفس میں مشغول ہو گئے۔ ہر ہفتہ ایک مجلس سماع منعقد کرتے تھے، اُس میں شہر کے علماء اور مشایخ اور ہر طبقے کے لوگوں کو شرکت کا اذن عام تھا۔ اس مجلس میں انھیں کی غزلیں گائی جاتی تھیں۔

ایک انتخاب دیوان شعراء فارسی، ایک دیوان فارسی اور ایک ریختہ آپ کی یادگار ہیں۔ دونوں زبانوں کے کلام کا انتخاب ذیل میں درج ہے:

کلام فارسی :

گل بے رنگ حقیقت کہ بہ دام نام بود بہجو اشک زمرہ خویش چکیدہ دیم

نماز عشق ادا کردنی است عاشق را خوشم کہ دست ز جان شتم دوزخو کردم

آتش در دل و اسوختہ افتاد سراج باز سیما ب ز خاکستر کسیر چکید

کلام ریختہ :
دورے نہیں ہیں سُرخ تری چشمِ مستکے شاید چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا

نہیں ہے تاب مجھے نیرے سامنے جانا کہاں سراج کہاں آفتابِ عالم تاب!

مجھ گین داغ دل پر نقش ہے حرفِ دنا عشق کی اُمت میں ہوں مہربوت کی قسم

نہ پوچھو خود بہ خود کرتا ہوں تعریف کی تانگی کہ یہ مضمون مجھ کو عالم بالا سے لگتے ہیں

یاد رکھ لے دلِ خویش گشتہ کہ جوں تکرارِ لعل جامہ زیبوں کے گریباں کا گلو گیر نہ ہو

خبرِ تحیرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بخیری رہی
شہرِ بخود دی نے عطا کیا مجھے اب نہاں ہوئی نہ خود کی بچہ گری رہی نہ جنوں کی پروہی رہی
جلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ جن سرور کا جل گیا مگر ایک شاخ نہالِ غم جسے کہیں سوہری رہی
ترے جوشِ حیرتِ حسن کا اثر اس قدر یہاں ہوا کہ نہ آئینے میں چلا رہی نہ پری میں جلوہ گری رہی
کیا خاکِ تپشِ عشق نے دل بے فوائے سراج کو نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بھڑی رہی

روز جمعہ ۲۷ شوال ۱۴۱۰ھ ہجری کو سراج جادہ پیامے عالم بقا ہوئے ۔
میرادلاد محمد ذکا نے یہ تاریخ کہی =

چراغ دودہ آل عباس سراج الدین کہ بود روشن ازو محفل سخن دانی
 نمود چارم شوال و صبح آدینہ بہ شمع انجمن عمر دامن افشانی
 زیرہ بزم جہان فنا بہ دار بہت فروغ ناصیہ خویش کرد ارزانی
 کشید شعلہ تاریخ سر ز طبع ذکا سراج بزم ارم را نمودہ نورانی
 ۱۱۱۱ھ

ہاشمی

ہاشمی تخلص۔ شاہ ہاشم نام۔ بیجاپوری الاصل۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہوئی۔

مادر زادو نام بنیا اور علی عادل شاہ والی بیجاپور (۹۶۵ تا ۹۸۵ھ ہجری) کے زمانے کے شاعر تھے۔ ان کی ذکاوت و ذہانت مشہور تھی۔ ہندی میں شعر کہتے تھے۔ کلام میں اثر، رنگینی اور شگفتگی ہوتی تھی۔ قصہ یوسف و زلیخا انھوں نے دکنی زبان میں منظوم کیا ہے۔ بہت خوب اور مشہور ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔
 رضا گر مجھ کو دیتے ہو کر دنگی گھر میں جا دارو اگر مجھ ہو دنگی فرصت صبح پھر آدنگی چوڑو
 اگر کوئی آکے دیکھیکا تو دل میں کیا کیگا وہ مجھے بدنام کیا کرتے اجی میں جاؤنگی چوڑو
 ۹۸۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ لیکن محبوب الزمن میں لکھا ہے کہ
 "ہاشمی علی عادل شاہ والی بیجاپور کے عہد کے شاعر تھے" چونکہ بادشاہ موصوف نے ۹۸۵ھ میں انتقال کیا۔ اس لئے یہ سال رحلت (۹۸۵ھ) غلط معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ۹۹۰ھ ہجری ہو۔

فتوت

فتوت تخلص۔ خواجہ عنایت اللہ نام۔ فرزند نواب لشکر جنگ۔

اورنگ آباد مولد۔ سال ولادت نہ معلوم ہوا۔ اپنے زمانہ کے علماء سے عربی اور فارسی تحصیل کی۔ شاعری اور انشا پردازی میں بھی کمال پیدا کیا۔ فارسی اور ریختہ دونوں میں شعر کہتے تھے۔ اس فن میں سید سراج اورنگ آبادی کے شاگرد تھے۔

فارسی کلام ملاحظہ ہو :

آتشِ اجبر تو اے ظالمِ نفسِ درِ سینہِ سخت دلِ بربادِ اختلاطِ وِ اُنتِ دیرینہِ سوخت

کراماتِ نچاہِ مسستِ ادا ز چشمِ خودِ دیدم ہمیشہ بولے مے می آید از خاکِ شہیدانش

اردو اشعار کا نمونہ یہ ہے :
کھیلے ہیں داغِ سبِ دل کے گلستانِ سکوکتہ ہیں مرا کڑے ہو اسینہ خیابانِ سکوکتے ہیں

بزم سے شعلہ صفتِ گردہ ز رہِ پوش اٹھے دل سوزاں سے مے مے آہِ شررِ جوش اٹھے

دور میں ساتی کیفی کے مے نوشوں میں ہم مدتیں گزریں کہ ہیں مشہور مدہوشوں میں ہم
یہ سبکِ روحی تجھے معلوم ہے بادِ صبا خاکِ بر جوں نقشِ پا ہیں خانہ بردوشوں میں ہم
باغ میں جانِ خوب روئے ناک کے سائے تلے دل کو آخر کم کئے انگور سے خوشوں میں ہم

اُس لبِ لعل کا اگر عکس پڑے آنکھوں میں دانہ اشکِ مرا جوں گلِ مرا جاں پھولے

یہ نہ معلوم ہوا کہ فتوت نے کب انتقال کیا۔

فصل دوم

وہ شعرا جو مختلف شہروں سے دکن میں آئے اور یہیں کے ہوئے

منت

منت تخلص۔ میر قمر الدین نام۔ قصبہ سونی پت (از مضافات دہلی) مولد۔ سال ولادت (تخمیناً) ۱۵۹۱ھ ہجری ہے۔

منت نے دہلی میں نشو و نما پائی۔ تحصیل علم کے بعد حضرت مولانا فخر الدین اورنگ آبادی ثم الدہلوی قدس سرہ العزیز کے دست حق پرست پر بیت کی۔ دہلی میں جب تک رہے سنی المذہب تھے۔ لکھنؤ جا کر شیعہ ہو گئے۔ اور امرائے لکھنؤ کی مدح میں قصائد کہ کر بیش بہا عطیات پائے۔ پھر کلکتے گئے۔ گورنر جنرل کی تعریف میں قصیدہ پیش کیا اور ملک الشعراء کا خطاب پایا۔

۱۷۸۵ھ ہجری میں حیدر آباد آئے۔ حضور نظام نظام علی خان والی حیدر آباد دکن (۱۷۸۵ تا ۱۸۰۲ھ ہجری) کے حضور میں قصیدہ پیش کیا۔ اس کے صلے میں دس ہزار روپیہ کا گراں قدر عطیہ جو نقد و جنس پر مشتمل تھا، اور دو سو روپیہ ماہوار کا منصب عطا ہوا۔ پھر ایک طویل سیر و سفر کے بعد دوبارہ لکھنؤ پہنچے اور راجہ ٹکیت رائے کے مصاحب ہو گئے۔ چند روز کے بعد پھر کسی کام سے کلکتے گئے۔ وہیں ۱۸۰۲ھ ہجری میں انتقال کیا۔ اُس وقت اُن کی عمر انچاس سال کی تھی۔ یہ روایت کہ انھوں نے لکھنؤ میں

۱۸۰۲ھ میں انتقال کیا ہے کہ انتقال کے وقت منت کی عمر انچاس سال کی تھی۔ مؤلف محبوب الرحمن کہتے ہیں کہ اُن کا انتقال ۱۸۰۲ھ ہجری میں ہوا۔ اس حساب سے ان کا سال ولادت ۱۷۵۷ھ ہے۔

وفات پائی بالکل غلط ہے:

انھوں نے ذیل کے اشعار میں اپنی تصنیفات کی تعداد بتائی ہے:
 دریں عمر وہ سنوی گفتم ام بہ آئین و طرز نوی گفتم ام
 چو اشعار من در عددی رسد شمار قصائد بہ صدی رسد
 بود شعر من در غزل سنی ہزار زیان صد رباعی گرفتہ شمار
 فارسی کے زیر دست شاعر تھے۔ نشر میں ایک کتاب بنام
 شکرستان، سعدی کی گلستان کی طرز پر لکھی ہے۔ کبھی کبھی ریختہ میں بھی
 نکر فرماتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:
 اس آنے کا کیا لطف ہے پیائے ہر دم جو کہو کہ جائینگے ہم

گر اُس لبِ جاں بخش کی میں بات سناؤں عیسے بھی جو کچھ بولے تو صلوات سناؤں

قدم رکھ گیا کون سینہ پر اپنے گلِ داغ میں آج منہ دی کی بو ہے

میت ایسے کو دل دیا تو نے اے مری جان! کیا کیا تو نے

مدعی اُس سے سخن ساز بہ سالوسی ہے پھر تمنا کو یہاں مژدہ پا بوسی ہے

بیان

بیان تخلص۔ خواجہ احسن اللہ نام۔ دہلی مولد۔ والد کا نام
 اور سال ولادت معلوم نہ ہوا۔

بیان نے مرزا جان جاناں علیہ الرحمہ سے تعلیم پائی اور
 آپ ہی سے مشق سخن کی۔ حضرت مولانا فخر الدین اورنگ آبادی
 ثم الدہلوی قدس سرہ العزیز کے دست مبارک پر بیعت کی۔

نواب نظام علی خان آصف جاہ ثانی فرماں رواں دکن (شاہ)
 تاشکند ہجری کے عہد ریاست میں حیدر آباد آگئے اور اپنی عمر کا آخری
 حصہ ان ہی کی سرکار میں بڑی عزت سے گزار دیا۔
 نیک خلقی، خوش طبعی اور پاک سیرتی کی وجہ سے ہر دل
 عزیز تھے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے :
 کوئی کسی کا بیاں آشنا نہیں دیکھا سو اس کے ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا

مصلحت ترک عشق ہے، ناصح لیک ہم سے ہو نہیں سکتا

خانماں کچھ ہم بھی رکھتے تھے کبھو لیکن بیاں اب یہی در ہے ہی گھر خانہ اُلفت خراب

کنتا نہیں میں عرش پر اے نالہ جا پہنچ کا نوں تک تو اُس کے تولے نار سا پہنچ

ہم سرگزشت کیا کہیں اپنی کہ مثل خسار پا مال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر

صاف منہ پر میں نہیں کنتا کہ ہو گا اُس کے پاس
 ورنہ کیا واقف نہیں میں دل مرا ہے جس کے پاس

رسوا ابھی سے کرتی ہے اے چشم تر مجھے آنا ہے اُس کی بزم میں بار دگر مجھے
 آیا ہوں اُس گلی سے ابھی دم نہیں لیا پھر لے چلا ہے یہ دل وحشی ادھر تجھے

ہزاروں قہر جنت کے برابر میں سمجھتا ہوں اگر گردون دوں آسودہ زیر خاک رہنے دے
 فرشتوں کی عبادت کا مصلیٰ ہے مراد امن اگر آلودگی دنیا کی اُس کو پاک رہنے دے

شب فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات آتی ہے

۱۲۳ ہجری میں بمقام حیدر آباد دکن انتقال کیا۔ اُن کے شاگرد رہے
گلاب چند نے تاریخ رحلت کی ”استاد از جہاں رفت“

لطف

لطف تخلص۔ مرزا علی خاں نام۔ سال ولادت اور دیگر حالات
معلوم نہ ہوئے۔

ان کے اسلاف کا وطن استر آباد تھا۔ وہاں سے ہندوستان
آئے اور دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ لطف کی نشو و نما دہلی ہی میں ہوئی
اپنے زمانے کے علماء سے تحصیل علم کی، فاضل یکتا اور شاعر غزا ہوئے۔
دہلی سے بنگالہ گئے۔ وہاں سے نواب نظام علی خاں آصف جاہ
ثانی (۱۲۱۵ھ تا ۱۲۱۸ھ) کے عہد دولت میں حیدر آباد پہنچے۔ نواب موصوف
اور اعظم الامراء دیوان دکن کی مدح میں قصائد پیش کئے۔ چار سو روپیہ
ماہوار منصب اور ایک پاکی کے عطیہ سے سرفراز ہوئے۔ اعظم الامراء نے
بھی بڑی قدر افزائی کی۔ جب میر عالم وزیر ہوئے تو انھوں نے از راہ
قدر دانی لطف کو اپنی مصاحبت میں رکھ لیا۔
سنا گیا ہے کہ لطف نے رنجیت گو شعرا کا ایک تذکرہ بھی لکھا
تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کا نام تک نہ معلوم ہوا۔

کلام کا یہ انداز ہے :
نہ بپنی ضعف سے لب تک دعا ہی در نہ سدا در قبول تو اس آرزو میں باز رہا

جو عمر خضر ہو شاید تو وصل ہو نصیب یہ زندگی جو تھی اس میں تو امتحان رہا

ساتی لکائے خم مرے منہ سے کہ بار بار احسان کون کھینچے سبجو اور ایان کا

کیا کم ہے سلطنت سے سگ کوئی یا اگر قانع ہو استخوان پہ ہائے ہاکی طرح

ہے یہ بھی نئی چھیڑ، شب وصل میں دلدارا، پوچھے ہے وہ کتنی رہی شب کچھ نہیں معلوم
لطف نے شمسہ ہجری میں انتقال کیا۔

نصیر

نصیر تخلص۔ نصیر الدین نام۔ فرزند شاہ غریب دہلی وطن۔ سال
ولادت معلوم نہ ہو سکا۔

آپ کے والد صوفی مشرب، گوشہ نشین تھے۔ درویشی کے
بادجود امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ نصیر نے اپنے والد ہی کے سائے میں
ناز و نعمت سے پرورش اور اپنے زمانے کے اساتذہ سے ضروری تعلیم
پائی۔ حالانکہ تمام درسی کتابیں بھی ختم نہ کی تھیں، مگر فن شاعری میں اپنا
ثانی نہ رکھتے تھے۔ شاہ محمدی مائل سے تلمذ تھا۔ مگر آزاد کا بیان ہے
کہ آپ نے شیخ قیام الدین قائم سے مشق سخن کی تھی۔ میر حسن کا قول
ہے کہ شاہ قدرت اللہ کو کلام دکھاتے تھے۔ گلشن بنجار میں بھی ان
کو قدرت ہی کا شاگرد لکھا ہے۔ دہلی کی تباہی کے بعد نصیر مرشد آباد
جا کر وہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں شاہ محمدی
مائل اور شیخ قیام الدین قائم سے اصلاح لی ہو۔ اور مرشد آباد
میں سکونت کے بعد شاہ قدرت اللہ کے شاگرد ہو گئے ہوں۔

دہلی سے ایک مرتبہ لکھنؤ اور تین بار حیدر آباد گئے اور
وہاں سے دہلی آ گئے۔ چوتھی مرتبہ مہاراجہ چندو لال بہادر دیوان
سہ مہاراجہ چندو لال کا خطاب "راجہ راجایان مہاراجہ بہادر" تھا۔ آپ قوم کے کھتری تھے۔
آباد اجداد کا وطن پنجاب تھا۔ آپ کے پردادا کا نام مول چند تھا۔ یہ نواب آصف جاہ اول کے ساتھ حیدر
آباد گئے تھے۔ آصف جاہ اول نے ان کو کروڑ گیری کے محکمہ کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا تھا۔ ان کے فرزند چھی رام
اور میران کے فرزند نانک رام اسی خدمت پر مقرر ہوتے چلے آئے۔ یہی نانک رام مہاراجہ چند دلا
کے چچا ہیں۔ ان ہی نے مہاراجہ کے والد کے انتقال کے بعد پرورش کیا۔ اور چھی تعلیم دلائی۔ نانک رام
کے انتقال کے بعد ان کے صاحب زادے لکھپت داسی موروثی عہدے پر مقرر ہوئے (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

دکن نے سات ہزار روپیہ زاد راہ کا خرچ بھیج کر آپ کو دہلی سے حیدر آباد بلوایا اور پچیس روپیہ یومیہ (ساڑھے سات سو روپیہ ماہوار) مقرر فرمایا۔ بلکہ حیدر آباد میں امرا و عاید سلطنت آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہاں کے بہت سے شعرا نے آپ کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔

آپ آخر عمر تک حیدر آباد ہی میں مقیم رہے۔ آپ کی ذات میں بہت سی خوبیاں جمع تھیں۔ شعروں میں اکثر سنگدھار زمین اختیار کرتے تھے۔ دقیق الفاظ کو اس سلاست کے ساتھ باندھتے تھے کہ حیرت ہوتی ہے۔ بدیہ گوئی اور حاضر جوابی میں کمال حاصل تھا۔ مشاعرے میں بہت بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ کلام کا یہ نمونہ ہے :

زیبِ ترقی گروچ ہے گلِ پیرِ سنِ سُرُخِ ترا لیکن انجام یہ ہو گا کفنِ سُرُخِ ترا
ہے مری آہِ یہاں نخلِ گلستانِ خلیل رخ گلنار و ماں ہے چینِ سُرُخِ ترا
سیحِ بتا تو مجھے سو خارِ خدنگِ قاتل ہو کس کس کا پیہ گادِ پینِ سُرُخِ ترا

اتباعِ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دو ہی برس کے بعد وہ سو رنگِ باش ہوئے تو مہاراجہ چند لال کو یہ خدمت ملی۔ مہاراجہ اچھو تعلیم یافتہ، فرس، فہم، مخنتی، جفاکش، اپنی سرکار کے ہی خواہ، سرکاری کام میں حزم و احتیاط برتنے والے تھے اور ہر جزدی دگلی کام کو بذاتِ خود کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی کارکردگی سے دبا آصف جاہی میں رسوخ و نفوذ پیدا کر لیا۔ ۱۲۱۲ھ ہجری میں کڑپہ وغیرہ ممالک مفتوحہ کا انتظام ان کو سپرد ہوا اور خطابِ راجہ بہادر عطا ہوا۔ ۱۲۱۹ھ ہجری میں پیشکاری جیسے عمدہ جلیلہ پزرتی کی۔ اس زمانے میں نواب منیر الملک وزیر تھے۔ ان کی وجہ سے سارا انتظام ملکی دہانی مہاراجہ کے ہاتھ میں آ گیا۔ ۱۲۲۵ھ میں مہاراجہ بہادر کا خطاب، ہفت ہزاری منصب، نوبت گھر دیاں، جوہر گراں بھا اور جاگیر سے سرفرازی پائی۔ ۱۲۳۵ھ ہجری میں راجہ راجایاں کا خطاب ملا۔ اگرچہ عمدہ دہی پیشکاری کا رہا۔ مگر وزارت اور دیوانی کے تمام کام پر ان ہی کا قبضہ تھا۔ نواب منیر الملک صرف برائے نام خطاب دجاگیر رکھتے تھے۔

مہاراجہ کی داد و دہش اتنی زبان زد عام ہے کہ اس کے لکھنے کی چنداں حاجت نہیں۔ انتہا ہے کہ شامانی ہندو ستان میں حیدر آباد چند لال کا کہلاتا ہے کم دہش پچاس سال تک پیشکاری کرنے کے بعد ۱۲۴۵ھ ہجری میں مستعفی ہوئے اور ۱۲۵۵ھ میں سیاسی برس کی عمر یا کر انتقال کیا۔ فارسی اور ریختہ دونوں میں طبع آزمائی کرتے تھے اور شادانِ قلمس تھا۔ (ماخوذ از نخلِ رعنا)

مستف فلک کہنے میں کیا خاک لگاؤں اے ضعفِ دل! اس آہ کا تھم اٹھ نہیں سکتا
دل پر ہے مرے خیمہ ہر ابلہ استاد کیا کیجے کہ یہ لشکرِ غم اٹھ نہیں سکتا
ہر جا تجلی ہے وہی پردہ غفلت اے مستفِ دیر و حرم اٹھ نہیں سکتا

ہنکی تھی دم تیشہ زنی سنگ سے آواز فریاد یہ دشمن ہے تری جان کا لہا

قدم نہ رکھ مری چشم پر آب کے گھر میں بھرا ہے نوح کا طوفانِ حباب کے گھر میں

دیکھ لبتی جو اٹھا کر ترے کیا ٹوٹتے ہاتھ بلی ایسا تو نہ تھا پردہ محلِ بھاری

دل کا کیا مول بھلا زلف چلیا پٹھیر تیری کچھ گانٹھ گرہ میں ہو تو سودا پٹھیر
جنش لب پہ قیامت ہے کہ جی اٹھے ہم آج اک بات میں تم رشکِ مسحا پٹھیر

۱۲۵۴ ہجری میں اس جہان فانی کو الوداع کہا۔ حضرت شاہ موسیٰ قادری رحمہ اللہ کے روضے میں جو حیدر آباد دکن کے نامور مشائخ میں سے تھے سپردِ خاک ہوئے۔ آپ کے ایک شاگرد نے ”چراغِ گل“ سے تاریخِ رحلت نکالی۔

مسرت

مسرت تخلص۔ شیخ وزیر علی نام۔ باشندہ دہلی۔ سالِ ولادت معلوم نہ ہوا۔

شاعری میں عزت اللہ خاں عشق سے تلمذ تھا۔
۱۲۹۹ ہجری میں حیدر آباد گئے۔ چند سال وہیں مقیم رہے
مہاراجہ چندو لال نے ان کے نام دو روپیہ روزانہ مقرر کر دیا تھا۔
یہ شعران ہی کا ہے :

اگرچہ روتے روتے کھوئیں آنکھیں نہ رکھا دیدہ نواں بار پر ماتھے
 شہدہ ہجری میں عالم بقا کی راہ لی۔

عزالت

عزالت تخلص۔ میر عبدالعلی نام۔ فرزند سید سعد اللہ سلونی۔ وطن
 قصبہ سلون ملک اودھ سال پیدائش معلوم نہ ہوا۔
 آپ شاہ پیر محمد سلونی کے نواسے اور خود عالم جید اور فاضل
 متبحر تھے۔

ابتدا میں اپنے والد سے تعلیم پائی۔ بڑے ذہین اور طباع تھے
 بہت جلد استعداد کامل پیدا کر لی۔ موسیقی اور مصوری میں بھی کمال پیدا
 کیا۔ بڑے ہوئے تو وطن سے حج کے لئے نکلے اس فریضے سے فارغ
 ہو کر سورت آئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔

پہلے فارسی کہتے تھے، بعد کو رنجیت کی طرف توجہ کی اور اُس میں
 ایسی ترقی کی کہ اُستاد مانے جانے لگے۔ ۱۱۶۴ھ ہجری میں دہلی گئے۔
 سراج الدین علی خان آزاد اور میر محمد تقی میر سے ملے۔ میر صاحب نے
 اُن کے متعلق نکات الشعراء میں یہ رائے ظاہر کی ہے:
 ”نسبت تمام بہ سخن دارند۔ از اسالیب کلام شاں واضح می
 گردد کہ بہرہ بسیارے از دردمندی دارند“

دہلی سے مرشد آباد کا رخ کیا۔ تھوڑی مدت کے بعد دکن گئے
 اور اورنگ آباد میں سکونت پذیر ہوئے۔ نواب ناصر جنگ نظام
 الدولہ کا زمانہ تھا۔ انھوں نے از راہ قدر دانی شیخوہ مقرر کر دی۔ اُن
 کی شہادت کے بعد حیدر آباد چلے آئے۔ نواب صلابت جنگ
 آصف الدولہ نے جاگیر میں دو گاؤں عطا فرمائے۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:
 جلایا مصحف دل تو نے کیوں برقیِ تغافل سے
 جو سچ بولوں تجھے جھوٹی قسم کھانے کا کام آتا

سیہ روزی میں میری قدر کو اجابت جانیں اندھیری رات میں کس کو کوئی پہچانتا ہوگا

بجز رفاقتِ تنہائی آسرا نہ رہا۔ سوئے بے کسی اب اور آستانہ رہا

سدا رہے گل کہاں سونے پڑے ہیں گلستاں اپنے
گئی ہیں بلبلیں کیدھر جلا کر آشیاں اپنے

خاطر یاراں میں ہے ہم خاکسار و گلزار صاف شکوہ دلوں میں کیا محبت خاک ہے

لے بلبلی اتنی روکے دعا ہر سحر تو مانگ حق تیری آہ سرد چمن کی صبا کرے

۱۵۹ ہجری میں انتقال کیا۔ حیدر آباد میں میر مومن کے دائرے
میں دفن ہوئے۔

کرم

کرم تخلص۔ شیخ غلام ضامن نام۔ قصبہ کوتاہ ضلع میرٹھ وطن۔ والد
کا نام اور سال ولادت معلوم نہ ہوا۔

حصولِ علم وغیرہ کے لئے کچھ دنوں دہلی میں مقیم رہے۔ پھر حیدر
آباد چلے گئے اور برسوں یہاں سکونت پذیر رہے۔ اُن کا شمار بڑے
شعرا میں تھا۔ پرانہ سالی کے باوجود طبیعت میں تشنگی اور ظرافت تھی۔ حکیم
مومن خان دہلوی کے شاگرد تھے۔ فارسی اور ریختہ دونوں میں شعر کہتے
تھے۔ اشعار کا نمونہ یہ ہے :

تیر نا خوردہ ہمار شک سے کیا کیا ترپا استخوانوں میں مے دیکھ کے پرکاش تیرا

ہاتھ ہو یگانہ اور تیرا دامن ہوگا چاک جب صبح قیامت کا گریبان ہوگا

نسبت میرے داغ سے کیا گل کو غنایب گو آہِ سرد و بادِ سحر دونوں ایک ہیں
رویشِ مارِ جانِ شبِ ہجر کو کرم، نے شام اُسے نہ اس کو سحر و نو ایک ہیں

اے طفلِ اشک! دیکھ کے برباد کیجیو ہر پارہ جگر ورقِ انتخاب ہے

اُس کو شہرت کی تمنا مجھے سوائی کی ہر کوئی آرزوے نشو و نما رکھتا ہے

گہرا کے لگے دیکھنے وہ اپنے بنا گوش جب اشک مری آنکھوں کے دروازہ نکلا
افسوس ہے کہ کرم کی تاریخِ وفات نہ معلوم ہوئی۔

ممتاز

ممتاز تخلص۔ فضل علی نام۔ والد کا نام اور سالِ ولادت معلوم نہوا
آپ دہلی کے شیخ زادوں میں سے تھے وہیں پیدا ہوئے اور
نشو و نما پائی۔

پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ حصولِ تعلیم کے بعد مرزا رفیع سودا سے
مشقِ سخن کی اور بڑے شاعر ہوئے۔ آخر عمر میں دکن گئے تھے۔ تذکرہ میر
حسن سے اتنا ہی پتہ چلتا ہے۔ ایک شنوی لاشی نامہ بھی لکھی تھی جس
کے چند اشعار بطور نمونہ یہ ہیں۔

ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ تحفہ چیز سب سے ہے ممتاز کو لاشی عزیز
کوچ و مقام اس کا ہے سب اپنے ہاتھ جب کہیں چلے تو ہے بے عذر ساتھ
ہاتھ میں رکھتے ہیں اسے ہوشمند ڈرتے ہیں سب اس سے درندہ گرد
اتنا کم آزاد اور ایسا شفیق، اور بھی کوئی ہے کسی کا رفیق
چوبِ نہیں دلِ برنوشِ خو ہے وہ پار ہے وہ قوتِ بازو ہے وہ
اُس کے گھرانے پہ جو کیجے خیال چھوٹے بڑے جتنے ہیں سب ہی کمال
کوئی تو ہے خامہ معجز طراز کوئی ستم گر ہے نہ نغمہ ساز

کوئی تو ہے ہر تنج و تسلیم
اس کے گھرانے کو بڑائی قدیم
غزلیات کا نمونہ یہ اشعار ہیں
ہزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا
نام بزرگاں، بہ بزرگی علم
دال ہے اعجازِ عصائے کلیم
مہنوز حوصلہ باقی ہے آشنائی کا

درد میں کس لئے رنجش سے پیار میں کیا تھا
جفا سے یار نے کس طرح کر دیا مایوس
ترے ہی واسطے اے عدم سہم یا تک
میل ب خزاں کو جو روؤں بار میں کیا تھا
اور اپنی خاطر امیدوار میں کیا تھا
وگر نہ ہستی ناپائدار میں کیسے کیا تھا

بال و پر توڑ کے جب تو نے نفس کو سونا
طالبِ وصلِ تباں پھر بھی ہوا ہے ممتاز
دل میں باقی ہے کچھ اک لعلِ جدائی کی ہوس
وہیں آخر ہوئی صیادِ ربائی کی ہوس

ہم اے رونے میں دل سے بخار اٹھتا ہے
ہے ان دنوں لہ نالاں فرنگ کا گھریال
کہ جیسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہے
رہے رہے کبھی آپ ہی پکار اٹھتا ہے

عشق میں عرضِ تمنّا مانعِ دیدار ہے
دل کے لے جانے سے کچھ خاطر پر اپنے تو نہ لا
میرا ہی دستِ دعا منہ پر مرے دیوار ہے
چپ تو رہے ممتاز پھر دیو لگا آخر یار ہے

یاد اُس شوخ کی اس دل میں بھری رہتی ہے
مت نہر پر تو ہونا نازاں مدِ رنجش ہے شرط
لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں پری رہتی ہے
قابلیتِ جو ہے ممتاز، دھری رہتی ہے

بے نیازیِ عشق کی وہ کچھ تمھارا نازیہ
اُس کا کیا انجام ہوگا، جس کا ہے آغاز یہ

فصل سوم

وہ ریختہ گو شعرا جو مدراس میں پیدا ہوئے



نصرتی

نصرتی تخلص۔ محمد نصرت نام۔ کرناٹک مولد۔ سال ولادت معلوم نہیں۔

صاحب محبوب الزمن نے لکھا ہے کہ نصرتی حاکم کرناٹک کے عزیزوں میں سے تھے، لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ کس حاکم کے عزیز تھے اور کیا رشتہ تھا۔ اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ سنی المذہب اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمہ اللہ کے خاندان کے کسی بزرگ کے مریدوں سے تھے۔ متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ امیر کی مدح سے جو فتوحات انھیں حاصل ہوتیں ان ہی سے اپنے ذاتی مصارف چلاتے۔ طبیعت میں داد و دہش بہت تھی۔ جو کچھ ملتا آدھا غریبوں اور فقیروں پر خرچ کر دیتے تھے۔

مدت تک کرناٹک میں مقیم رہے۔ پھر دکن کی سیر کرتے ہوئے بیجا پور پہنچے۔ علی عادل شاہ کا عہد تھا۔ بادشاہ نے ان کے نام بھاری منصب جاری فرمادیا۔

گل رعنا میں لکھا ہے کہ زبیری نے ”بساتین السلاطین“ بیجا پور میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصرتی کی تصانیف میں گلشن عشق ایک مثنوی ہے جس میں ”مثنوی پر کنور“

اور ”مدمانسی“ کے عشق کا قصہ نظم کیا ہے۔ دوسری کتاب شاہ نامہ فردوسی کا ہندی جواب علی نامہ ہے جس کو انھوں نے شاہ میں تصنیف کیا تھا۔ اس میں علی عادل شاہ کی فتوحات اور اس کے کارنامے نظم کئے ہیں۔ تیسرا مجموعہ قصائد اور چوتھا دیوان ہے۔ علی نامہ بڑے پائے کی کتاب ہے۔ جس زمانے میں لکھی گئی ہے۔ ان دنوں اس کا بڑا چرچا اور رواج تھا۔ مگر آج کل اہل دکن بھی اسے دقیق سمجھتے ہیں۔ اسی کتاب پر بادشاہ نے نصرتی کو خلعت اور ملک اشعرا کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ دکن کے ہندی گو شعرا میں صرف یہ ایک ملک اشعرا ہوئے ہیں۔

نصرتی کے کلام میں مضمون آفرینی کے ساتھ فصاحت اور شیرینی بہت ہے۔ علی نامہ کا یہ انداز ہے،

حمد

دھنی تو نچھ ہے مسجد و دیر کا نہیں ہے کوئی صلح ہو رہیر کا
ترا دھیان دائم دھرے دل میں پور جتا جن وانان وحشی و بطور
کتی کہ سکے حمد کوئی بے شمار کہ دریا کوئی تیر جاتا ہے پار

منقبت

زہے بیشہ لامکاں کا دلیر علی ولی او خدا کا ہے شیر
محبان کے دل میں ترا جب یقیں جنم جاگے ایماں کو حصن حصین
تو اک کوٹ ہے برج جس کے تمام او بارہ اماماں علیہ السلام
ملج علی عادل شاہ

قلم آج جو مجھ جہاں گیر ہے صفت شبہ کی لکھنے کی تاثیر ہے
ہر اک دیپ تجھ دیپ آنا ضرور کہ سب ملک اندھا را دکن پر نور
ترا چتر خورشید کا سائبان مگے تجھ علم کا پناہ آسمان

خدمت طمع

طمع اہل عزت کون کرتی ہے نوا کرے جگ میں بے قول بے اعتبار

طع نام و ناموس کا کال ہے طع جیوں کو سکھ کے بھونچال ہے
 طع نجت لے چھین ہوندا کرے طع ساؤ کو نیت کلوندا کرے

خاتمہ کتاب

سخن کا بڑا قدر ہے شہ کے پاس کہ جو ہر پرکتا ہے جو ہر شناس
 کتا ہو سخن مختصر بے گمان کہ یوشاد نامہ دکن کا ہے جان
 نصرتی کے اشعار کا یہ رنگ ہے :
 ناداں سے نصیحت کے بچن بول نکو پانی منے کھاری تو شکر گھول نکو
 تجھ عشق کے دریا منے جن تیر گیا ہے دود گوہر مقصود کماں کر سولیا ہے
 ملک الشعرا نصرتی نے ۹۵ھ ہجری میں کارکنان قضا کو اپنی
 جان سوئپ دی۔

ممتاز

ممتاز تخلص۔ غلام حسین نام۔ عہدۃ الامراء معین الملک اسد الدولہ
 حسین علی خان بہادر ذوالفقار جنگ سپہ سردار خطاب۔ فرزند نواب
 والا جاہ فرماں روا اے کرناٹک۔ مدراس مولد۔ محرم ۱۲۶۱ھ ہجری (مطابق
 ۱۸۴۵ء) سال ولادت ہے۔

آپ نواب والا جاہ (۱۲۶۲ھ تا ۱۲۸۱ھ ہجری) کے خلف اکبر تھے
 درسی کتابیں اساتذہ سرکاری سے ختم کیں۔ طبیعت بہت موزوں پائی
 تھی۔ اردو میں شعر کہتے تھے۔

عالی گوہر شاہ عالم بادشاہ دہلی کی پیشگاہ سے خطابت مذکورہ بالا
 کے علاوہ منصب ہفت ہزاری ذات و ہفت ہزار سوار و خلعت فاخرہ
 ملبوس خاص مع جیفہ و سرپیچ و ماہی مراتب و پاکلی جھالمر دار عطا ہوئے۔
 نواب والا جاہ بہادر نے ۱۲۸۱ھ ہجری مطابق ۱۸۶۵ء میں انتقال
 فرمایا۔ ان کے بعد آپ مسند آراء کرناٹک ہوئے۔

جناب ممتاز کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں ہے۔ جو کچھ یہاں تحریر

ہوا ہے ترک والا جاہی سے مختصراً لیا گیا ہے۔ آپ کے قلمی دیوان سے
ذیل کے منتخب اشعار درج کئے جاتے ہیں:

یارب! یہ تماشا ہے عجب بوالعجبی کا اُمّی ہے مدرّس ترے علم و ہبی کا

نعتِ دل منہ سے نکلتے ہیں ابھی بات کے ساتھ پوچھ مت راز، صبا! غنچہ کی خاموشی کا

تدبیر سے وہ مٹ نہیں سکتا ہے زینہار جو کچھ قلم نے دفترِ تقدیر پر لکھا

جسمِ آدم تین عنصر سے نہیں حاصل ہوا آگ جب دل میں پڑی تب آدمی کامل ہوا

خلقتِ انساں کے آگے سر ہے عاشق کا فلور جب لگے آدم بنانے کو تو پہلے دل ہوا

ہے خارِ پا مجھے انگشتِ راہبرائے خضر نہیں ہوں تجھ سے میں محتج رہنمائی کا

ہے اپنے دل میں عشقِ رخ گل عذار کا باندھا ہے ہم نے گانٹھ میں موسمِ بہار کا

مے مدرسے میں خوار ہے مے خانے میں کتا حرمت کہیں کسو کی نہیں قدر داس کے دور

سجدہ کروں یہ نقشِ قدم پاؤں جس طرف تیری ہے یہ نماز، خدا کی جدا نماز
بحرِ کرم کا جوش نہیں مختصر بہ زہد کیا چیز ہم ہیں، اور ہماری ہے کیا نماز

نامہ بر آگاہ جب ہوئے تو نامہ کیا ضرور نامہ حق تھا یہیمبر کو زبانِ جبرئیل

دل جو کتا ہے سو کرتا ہوں، ملامت نہ کرو ساتھ میں مرشدِ کامل کو لئے پھرتا ہوں

دوست ہوتا ہے جہاں میں ایک جیون اتے خدا وہ تو ناداں ہیں جو کرتے ہیں شمار دوتاں

مجھ سے نہ رکھیو کہہ کنی کی کبھی امید میں حال بے وفائی شیریں شنیدہ ہوں

شراب خواری کو شیخ اس سوا پناہ نہیں تنگ ملا کے پیوے تو کچھ گناہ نہیں

جب آدم کو کیا ابلیس بے جرم آشنا آدمی تب سے گنہ کرنے میں بے تقصیر ہے

جان کر اپنے کو نادان بنا نامت آرزو یہ ہی اک وقت میں ک طرح کی دانائی ہے

شیخ کو تقویٰ عوض باغ ارم چاہئے یہاں تو خداوند کا فضل و کرم چاہئے

شراب ہو چکی، مینا دے سے بونہ گئی ہمارے دل سے جوانی کی آرزو نہ گئی
اسے بھی لے کے ڈبونا تھا خضر اپنے ساتھ بھلا ہوا کہ سکندر کی آبرو نہ گئی

لے دل! وہ خیر محض ہے اس سے نہ ہو بدی دوزخ سے تو نہ ڈر یہ ڈرانے کی بات ہے

ہیں مری نظروں میں یکساں اس چین کے خوب زشت چشم وحدت بین میں جیسا گل ہے ویسا خار ہے

گفتگوی حشر کا یارب کہاں ہم کو دماغ کا غد تصویر جاننا نامہ اعمال ہے

ہے چشم آئینہ کا ہنر عیب دیکھنا ممتاز اپنی آنکھ بہت عیب پوش ہے

خدا سے بھی جو زباں پر سوال آتا ہے تو چہرے پر عرق انفعال آتا ہے

یا خدا۔ بندہ سے بھی بندہ کو ٹمک ڈر چاہئے بدترین خلق دنیا میں دل بے باک ہے

نہ اٹھ سکا تری چھاتی سے یہ پہاڑ آخر میں بونٹا نہ تھا فرما د کام بھاری ہے

ایکے جینا بھی لے خضر! کچھ رکھے ہے مرہ یہ زندگی ہے تری یا نفسِ شماری ہے!

نسبت نازک ان دونوں میں لے متاڑا جان انتہا دشمنی ہے ابتداء دوستی

برنگ سرو جو آزاد ہو رہا ہو اُسے زمیں نہالی ہے اور آسماں رضائی ہے
نشانہ سگ بلا کا ہے میوہ دار درخت کھائی کا ٹھرا س باغ میں بُرائی ہے

جمع میں افراد ہیں خود جمع فرد جو ہے تیرا شاہد تو حید ہے

ظاہر ہے چشم اہل بصیرت میں اب تک یسائی کی شکل قیس کی سنگ فرار ہے

بسل جو کرے ہماری تقلید بے تاب دل کہاں سے لاف

جو سمجھے غنچہ دل اپنی آہ سرد کی قدر نسیم صبح سے پھر ہرگز التجا نہ کرے

بدنام جُت پرستی سے کرتا ہے کیوں مجھے اے شیخ! تیرا سجدہ بھی زنا ر دار ہے

سجدہ کرتے ہیں آدمی کو ملک بندگی میں ہمیں خدائی ہے

غم کو فرما د عیش کو پرویز یہ خدائی کا کارخانہ ہے
دل کا لے درد نام مرت لینا میرے صاحب کا یہ ٹھکانہ ہے

انتھان یہ خدا کا ہے ایوٹ عشق کا زور آ زمانا ہے

حق سے ممتاز کو ہے نظم امورِ عالم نظم اشعار سے ہو کیونکہ سروکار مجھے ہے

کہتے ہیں کہ یوسفؑ کو زلیخا نے لیا مول معشوق جو بکتے ہوں تو ہم کو بھی دلائے
جناب ممتاز نے سات برس حکومت کرنے کے بعد پچیس سال کی
عمر میں ۱۰ سہر ربیع الاول ۱۲۱۶ھ ہجری مطابق ۱۸۰۱ء کو وفات پائی۔

نادر

نادر تخلص ہے۔ نام، ولدیت، مولد اور سال ولادت معلوم نہوا۔
نواب غظیم الدولہ بہادر رحمت مآب، نواب کرناٹک دہلی
تا ۱۲۳۴ھ ہجری کے عہد کے شاعر اور آپ کی سرکار میں ملازم تھے۔
فن شاعری میں شاہزادہ مرزا علی بخت انظری تیتوری گورگانی سے ملتا تھا۔
۱۲۳۴ھ ہجری میں نواب رحمت مآب کے زمانہ ریاست میں نادر
نے ایک مثنوی رشک قمر و مہ جبین لکھی تھی۔ اس میں نواب موصوف
کی، نواب بیگم صاحبہ اور آپ کے دونوں فرزند نواب اعظم جاہ بہادر
رضوان مآب اور نواب غظیم جاہ بہادر غفران مآب کی تعریف کی ہے اور
اپنی فلاکت و خستہ حالی کا اظہار کر کے نواب صاحب اور نواب
بیگم صاحبہ سے شانانہ امداد طلب کی ہے۔ نیز اس وقت جو علما، مشائخ
امرا اور شعرا موجود تھے ان میں سے بعضوں کا ذکر کیا ہے۔
مثنوی کے چند اشعار بطور نمونہ ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

حمد

عجب صانع کار پرداز ہے بری عقل سے اس کا ہر راز ہے
خدا کو رکھا برگ کئے رنگ میں دکھال کو شیشہ سنگ میں

مناجات

مری دو جہاں میں تو رکھ آبرو
مجھے خضر کا کرتوت نام مقام
چمن سے جہاں کے مجھے دے غم
مری شنوی کو تو نگزار کر

رہوں سرخ رو سب کے تار و پرو
رہوں آپ جیواں سا دایم مدام
مجھے بھر مقصد سے کر بہرہ ور
تو بلبل سا ہر دل گرفتار کر

نعت

ادب سے یہاں آ، ارے ساقیا!
صراحی بنا گل کی، غنچہ کا جام
کہ جس نشہ سے مجھ کو ایسا ہو خوش
کلید خزانہ ہے اسرار کا
وہ ہے سرورِ لشکر انبیا
وہی بیج ہے اور شاخاں میں گل
ملک العلماء مولانا عبد العلی بحر العلوم قدس سرہ کا ذکر
جو مولانا عبد العلی تھے وہاں
وہ مجذوب و سالک کا تھا پیشوا

دزد اور صلوات کہ جا بجا
شراب ٹھوڑا سے ہے مجھ کو کام
کروں یاد احمد سے ہر دم خردش
وہ دیوان ہے حق کے دربار کا
وہ ہے شاہِ اقلیم ہر دوسرا
اسی باغِ عظمت کے سب بیٹے گل
طفیت اُن کی کرتے تھے کرویاں
وہ گم راہ و فاسق کا تھا رہ نما

مدح نواب

کروں یوسف حسن کا کیا بیاں
کروں حسن کو اُس کے گر کچھ رقم
جو چہرہ کا سایہ تھا اُس شاہ کا
تھی یوں ریش چہرہ پہ نواب کے
بیاں لایاں ہے، اے کنفائیاں!
تو مشوقِ دل ہووے میرا تسلیم
وہ داغِ جگر ہو گیا ماہ کا
گویا مالہ تھا گردِ مہتاب کے

در شکایتِ فلک

اے صیادِ دورِ فلک بد گھر!
تھامیں عیش کے پھول سے یارِ غار
بے لالہ سا اس غم سے دل داغ داغ
کسی پرستم یوں ہوا ہے کہیں
میرے حال پر تو کرم کر، کرم کر
میرے غم سے مجھے غم کے آزاد کر
ہوں اب خارِ غم سے بہت خوار زار
مجھے چھوڑ، تائیں رہوں باغِ باغ
ہے یہ بے مناسب، مناسب نہیں
میرے حال پر تو کرم کر، کرم کر

اشعار متفرق
مجھے عید یاد آئی یادش بخیر! نہایت خوشی لائی یادش بخیر!

وہی ہے شجاعت کے گلشن کا گل وہی ہیکا انگو بخشش کا گل

نہ اُس کو تھی دختر نہ فرزند تھا کمال اس کا وہ آرزو مند تھا

میں باغ جہاں میں ہوں بس خوار تر تناور شجر ہوں، مگر بے مثر

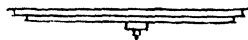
سخاوت سے بر آوے مقصد تمام سخاوت سے حل ہووے مشکل کا کام

دعائے فقیراں ہے رحم خدا قدم ان کا کرتا ہے ردِ بلا

یہ شیشہ کو اور جام کو تو ٹپک خدا واسطے تو یہاں سے شک

ارے ساتی! امید کا جام دے دلا رام مے سے تو آرام دے

یہ نہیں معلوم ہوا کہ نادر نے وفات کب پائی۔



باب سوم

— (♦) —

وہ فارسی گو ایرانی شعرا جو شمالی ہند سے دکن آئے اور چند روز مقیم رہ کر واپس چلے گئے

فکری

فکری تخلص۔ ملا رازی عرف ہے۔ پورا نام ولایت، مولد اور سال ولادت معلوم نہ ہوا۔

عالم متبحر، ادیب، فاضل، شاعر و نثار کامل تھے۔ خوش خلقی اور فیاضی میں مشہور بھی تھے۔

انھوں نے شاہ طہاسپ صفوی، شاہ ایران، کی ملح میں بہت سے قصائد لکھے اور گراں بہا عطیات پائے۔ ایران سے احمد نگر پہنچے۔ شاہ طاہر کے ذریعے جو برہان نظام شاہ اول والی احمد نگر (۹۱۳ تا ۹۶۱ ہجری) کے مقرب تھے۔ اور جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے بڑی دولت و عزت حاصل کی۔ دربار بیجا پور اور گولکنڈہ میں باریابی کا شرف پایا۔ وہاں کے تاجداروں نے بھی انھیں مالا مال کر دیا۔ کئی ہزار ہون لے کر اپنے وطن کو واپس ہوئے۔

کلام کا نمونہ یہ ہے۔
رُخت گل گل شدا ز مے، ترک سیر باغ و بُستان کُن
بہ گیر آئینہ در دست دتما شاہ گلستان کُن

مئی گویم دلم را خوں مکن، یا جاں مکاہ از غم
دل و جانم فدایت ہرچہ می خواہد دلت آں کن
یہ نہیں معلوم ہوا کہ فکری نے کب انتقال کیا۔

مسیح کاشی

مسیح تخلص۔ رکن الدین نام۔ فرزند حکیم نظام الدین کاشانی۔ کاشان
مولد۔ سال ولادت معلوم نہ ہوا۔
مسیح نے کاشان ہی میں تربیت پائی۔ طب، فلسفہ اور شاعری
میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

ابتدا میں شاہ عباس صفوی کے مصاحب تھے۔ بادشاہ ان پر
مہربان تھا کہ دو مرتبہ بہ نفس نفیس ان کے مکان پر گیا۔ رفتہ رفتہ حاسدوں
نے بادشاہ کا دل ان سے پھیر دیا۔ بادشاہ کی یہ بے رخی انھیں گوارا
نہ ہوئی مجبوراً وطن کو خیر باد کہہ دیا اور چلتے ہوئے یہ شعر کہا۔

گر فلک یک صبح دم بامن گراں باشد سرش

شام بیروں می رودم چوں آفتاب از کشورش

ہندوستان میں شہنشاہ اکبر کی علم دوستی و قدر افزائی کا دھنکا
بج رہا تھا۔ مسیح ہندوستان پہنچے اور کسی طرح بارگاہ شاہی میں باریابی
حاصل کی۔ بادشاہ نے از راہ قدر افزائی اتنا انعام و اکرام دیا کہ فلغالباً
ہو گئے۔ جہانگیر تخت پر بیٹھے تو مسیح کی اتنی قدر بڑھی کہ دربار کے
حاضر باش ہو گئے۔

لیکن نہ معلوم پھر کیا افتاد پڑی کہ پایہ تخت سے الہ آباد چلے
آئے۔ چند روز کے قیام کے بعد حیدر آباد وکن پہنچے۔ یہاں کے قیام
میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ مسیح کو سخت محجوب ہونا پڑا۔
ایک دن میر محمد مؤمن استرآبادی، وکیل السلطنت سلطان
محمد قلی قطب شاہ (۱۵۹۹ء تا ۱۶۱۲ء ہجری) مسیح سے ملنے آئے۔ نصرت

کے وقت مسیح نے اُن پر گلاب پاشی کرنی چاہے۔ مگر غلطی سے گلاب کے بجائے شراب کا شیشہ ان پر ڈال دیا۔ وکیل السلطنت اس کو مسیح کی شرارت پر محمول کر کے آگ گولا ہو گئے۔ مسیح کو سخت انفعال ہوا وہ فوراً حیدر آباد کو چھوڑ کر بیجا پور چلے گئے۔ وہاں بھی قسمت نے یادری نہ کی۔ مجبوراً جہانگیر کے لشکر کی طرف رخ کیا اور مہابت خاں کی ملازمت اختیار کر لی۔

۳۳۰ ہجری میں شاہ جہان تخت نشین ہوئے تو مسیح نے ایک قطعہ تاریخ پیش کیا اور بارہ ہزار روپیہ انعام پایا۔ اس قطعہ کے دو شعر یہ ہیں۔

بادشاہ زمانہ شاہ جہاں خرم و شاد و کامراں باشد
بہر سال جلوس او گفتم در جہاں باد تا جہاں باشد
اس قطعہ نے پھر مسیح کو شاہ جہاں کا درباری بنا دیا۔

بوڑھے ہونے کے بعد بادشاہ سے مشہد مقدس جانے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے پانچ ہزار روپیہ نقد اور ایک خلعت عطا فرما کر اجازت دی۔

مسیح حج و زیارت سے مشرف ہو کر مشہد مقدس گئے وہاں سے اپنے وطن کاشان میں چند روز آرام کر کے شاہ صفی سے ملنے کے لئے آصفہان گئے۔ مگر بادشاہ کو اپنی طرف متوجہ نہ پا کر شیراز چلے گئے اور مدت دراز تک وہیں مقیم رہے۔

مسیح بڑے پایہ کے شاعر تھے۔ ان کا کلیات ایک لاکھ اشعار کا حامل ہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد مرزا صائب تبریزی نے اس کلیات میں سے انتخاب کر کے سات ہزار اشعار کا مختصر دیوان ترتیب دیا۔

منتخب کلام کا انداز یہ ہے۔
راست می گویم کہ جرم چشم نم ناک من است مگر پائے عاشقاں خائے درین صحر اعلیٰ

گر سپیدی در خط مشکیں یا را مدچغم بیشتر دارد بہا ہر گہ شود وغیرہ سفید

چنین خواندست ہر صاحب سوائے از جبین من کہ گردل بر توئی آخر نہ دل ماندہ دین من

لے دل بیکارا آخر غمگار من توئی ہم چراغ خانہ ہم شمع فرار من توئی

دہ بزم عاشقاں چو بر آرم ز سینہ آہ چوں ہیزے کہ دود کند دورم انگندہ

مسیح نے مسند ہجری بمقام کاشان حیات مستعار کو خیر باد کہا۔
کسی شاعر نے تاریخ دفات کسی "رفت بسوئے فلک باز مسیح دوم" ۱۰۶۶ھ

فقیر

فقیر تخلص۔ میر شمس الدین نام۔ عباسی نسب۔ والد کا نام نہ معلوم ہوا۔ شاہ جہاں آباد مولد اور ۱۰۵۱ھ ہجری سال ولادت ہے۔
فقیر نے اپنے زمانے کے علما سے تحصیل علم کی۔ عالم حبید اور فاضل متبحر تھے۔

۱۰۵۱ھ ہجری میں لباس فقر پہن کر اپنا تخلص فقیر قرار دیا۔
مذہب دہلی میں اپنے خوان علم سے طلبہ کو بہرہ اندوز کرتے رہے۔ پھر لکھنؤ گئے اور وہاں سے ۱۰۵۸ھ ہجری میں اورنگ آباد پہنچے۔ سال بھر کے قریب یہاں مقیم رہ کر ۶ محرم ۱۰۵۸ھ ہجری کو سورت اور وہاں سے برعزم بیت اللہ شریف جہاز میں روانہ ہوئے۔ حج سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ سے بھرے گئے اور وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر ہندوستان آ رہے تھے کہ راستے میں کشتی ڈوبی، فقیر بھی بحر فنا کے گھاٹ اتر گئے۔
آپ کا شمار بڑے اچھے شاعروں میں ہے۔ اشعار کا یہ نمونہ ہے:
یار شناختہ قدر دل بے کینہ ما کاش کی دید رخ خویش در آئینہ ما

ہوئے نازینے می کشم نازِ جہانے را بہ بوئے یوسف گیم سہراہ کاروانے را

جدا از روئے تولے بہ! ستارہ می شمریم شب فراق تو از بہر ماست روزِ حساب

من نہ از خود می روم دنیال او سایہ را سرگشتہ دارد آفتاب

مرشد اہل سخن را جز صفائے سینہ نیست درس طوطی را کتابے بہتر از آئینہ نیست

در مقابل چشمِ گریاں تا جمالِ یار داشت کاروانِ گرئے من یوسف در بار داشت

فقر را از سعادت ہم قدر کافی است کہ منتے بہ سرش سایہ ہمانہ گزاشت

جامِ مے نیست کہ از دست تو شد قسمتِ غیر کشتی ماست کہ در کام نہنگ آمدہ است

بر سر ہائے وصل نیفکند سایہ در کوئے او فقیر شکست استخوانِ عبث

فقیر کے انتقال کا واقعہ ۱۸۳۳ء ہجری میں پیش آیا۔ میر غلام علی آزاد بگرامی نے وفات کی یہ تاریخ لکھی:

رفت از عالم سخنور شیریں ہائے خوابید بہ خاک شاعر رنگیں ہائے

آزاد نوشت مصرع تاریخش گو آہ فقیر میر شمس الدین ہائے

عاقل

عاقل تخلص۔ محمد عاقل خاں نام۔ ہندوستان خطاب۔ دہلی مولد

ہے۔ تاریخ تولد معلوم نہیں ہوئی دہلی کے علما اور فضلا سے تحصیل علم کی۔ اس سے فارغ

ہو کر بادشاہی منصب پایا۔ اسی زمانے میں نواب آصف جاہ سے شرفِ ملازمت حاصل کیا۔ جو بعد میں شاہِ دہلی کے وزیر ہوئے۔ نواب نے قدر افزائی فرمائی۔ نواب کی مداحی کرتے رہتے تھے۔ ۱۲۳۱ ہجری میں فرخ سیر بادشاہ ہوئے اور نواب آصف جاہ کو اورنگ آباد کی صوبہ داری ملی۔ عاقل بھی ان کے ہمراہ اورنگ آباد آگئے۔ اور فراش خانہ وغیرہ کے داروغہ مقرر کئے گئے۔ جب عاقل بوڑھے ہو گئے تو نواب نے انھیں اپنی جاگیرات واقع دہلی کے محاصل کے خزانے کا داروغہ بنا کر دہلی بھیج دیا۔

کلام کا نمونہ یہ ہے:
 ہج کس یارب! اسیرِ جذبۂ الفت مباد
 مرغِ دست آموز در پرواہم آزاد نیست

کدام تشنہ جگر گرم جاں فشانی بود
 کہ آبِ جدولِ شمشیر در روانی بود

فیضِ آبِ دیدہ نتوان یافت در آبِ وضو
 کاشکے زاہد بہ جاے ریشِ ترگاں ترکند!

سرمہ بودم ناگشتم نکستِ گلہاشدم
 عشقِ می داند بہ نیرنگی کہ من رسوا شدم

چہیست مطلب از گزادم کوزہ سازِ عشق!
 سنگ بودم آبِ گشتم، سو ختم، مینا شدم

چو راہب بہ بت خانہ بیدار بودن
 ازاں بہ کہ در کعبہ خوابیدہ باشی

عاقل نے ایک روایت کے موافق ۱۲۳۱ ہجری میں اور بقول
 مؤلف محبوب الزمن ۱۱۹۵ ھ ہجری میں قضا کی۔

تَمَّتْ

THE HISTORY OF THE POETS OF SOUTHERN INDIA AND THE DECCAN

Higri 1352

By

MOULVI MUHAMMAD MUNAWAR GOWHAR SAHIB BAHADUR
Amirushuara Najmulfuzala



UNIVERSITY OF MADRAS

1937

۸۹۱۵۵۱۹ م - س

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

۲۸-۳-۵۴

۱۵۵۲۶

